سِرالمُبین
امام حسین

سِرّالمُبین

تصنیف: سیّد آفتاب حسین کاظمی

مکتبہ آل امام موسیٰ کاظم علیہ السلام
راولپنڈی کینٹ۔ پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

رَبِّ اشْرَحْ لِی صَدْرِی

وَیَسِّرْ لِی اَمْرِی

انتساب...

میں اپنی اس کوشش کو اُم الآئمہ، شفیعۂ روزِ محشر، بضعۃ النبوۃ، بقیہ الرسالۃ، صدیقہ طاہرہ، معصومۂ عالمین، جدۂ سادات حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کی خدمتِ عالیہ میں بصد خلوص و ادب اور بصد تکریم و تعظیم ہدیہ کرتا ہوں

”فَاِنْ تَعْزُوْہُ وَ تَعْرِفُوْہُ تَجِدُوہُ اَبِی دُوْنَ نِسَائِکُمْ وَ اَخَا ابْنِ عَمِی دُوْنَ رِجَالِکُمْ وَ لَنِعْمَ الْمَعْزِیُ اِلَیْہِ صَلیَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم“

(اقتباس خطبۂ فدک)

”اس رسولؐ کو اگر تم نسب کے حوالے سے پہچاننا چاہتے ہو تو وہ میرے باپ ہیں، تمہاری عورتوں میں سے کسی کے نہیں وہ میرے چچازاد (علیؑ) کے بھائی ہیں، تمہارے مردوں میں سے کسی کے نہیں، یہ نسبت کس درجہ باعثِ افتخار ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو ان پر اور ان کی آل پر“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظَهَرَ الْفَسادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِما کَسَبَتْ اَیْدِی النّاسِ، فَاَظْهِرِ اللّٰهُمَّ لَنا وَلِیَّکَ وَابْنَ بِنْتِ نَبِیِّکَ الْمُسَمّی بِاسْمِ رَسُولِکَ حَتّی لا یَظْفَرَ بِشَیْءٍ مِنَ الْباطِلِ اِلّا مَزَّقَهُ، وَیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُحَقِّقَهُ، وَاجْعَلْهُ اَللّٰهُمَّ مَفْزَعاً لِمَظْلُومِ عِبادِکَ، وَناصِراً لِمَنْ لا یَجِدُ لَهُ ناصِراً غَیْرَکَ، وَمُجَدِّداً لِما عُطِّلَ مِنْ اَحْکامِ کِتابِکَ، وَمُشَیِّداً لِما وَرَدَ مِنْ اَعْلامِ دِینِکَ وَسُنَنِ نَبِیِّکَ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَآلِهِ۔

بر و بحر میں خود لوگوں ہی کے ہاتھوں فساد رونما ہو گیا ہے، اے اللہ ! اپنے ولی (حُجتِ زمانہ علیہ السلام) کو جو تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا فرزند ہے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہم نام ہے، ظاہر فرما دے کہ کوئی باطل ایسا نہ ملے جس کا پردہ چاک نہ کر دے، اور حق کو حق ثابت کر کے رہے۔ اے اللہ ! اُن کو اپنے مظلوم بندوں کا پشت پناہ اور جس بے کس کا تیرے سوا کوئی نہ ہو اُس کا مددگار بنا دے، اُن کو جلد لے آ کہ تیری کتاب کے جو احکام معطل ہو رہے ہیں، انہیں وہ پھر سے جاری و ساری کر دیں، اور تیرے دین کی نشانیوں، اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سُنتوں کو مستحکم کر دیں۔

تشکّر...

اس کتاب کی تکمیل میں بہت سے علماء' رفقاء' دوستوں' اور عزیزوں کا تعاون حاصل رہا، میں دل کی گہرائیوں سے اُن تمام کا ممنون ہوں خصوصاً محترم سیّد حضور امام کاظمی ایڈوکیٹ (مظفر آباد) سید اخلاق حیدر زیدی (لاہور)، سیّد ابصار عباس (اٹک)، سید اقتدار علی کاظمی مرحوم (ڈیرہ اسماعیل خان)، سید رضا حیدر زیدی (ام القوئین۔ عرب امارات) برادرِ خورد سیّد وقار حسین کاظمی اور سیّد سرشار حسین کاظمی (راولپنڈی) نے ہر قدم پر ہر ممکن مدد کی اور نفسِ مضمون میں خصوصی دلچسپی لی، میں سمجھتا ہوں کہ اگر سید اخلاق حیدر کا ساتھ میسر نہ ہوتا تو بہت سارے پہلو تشنہ رہ جاتے، اُنہوں نے ہر مرحلہ پر بے لاگ تنقید و تبصرہ کیا، اسی طرح سیّد ابصار عباس کا توانائی سے بھرپور بے مثل و بے نظیر ساتھ رہا، اللہ تعالیٰ اُن کی توفیقات میں اضافہ فرمائے، خداوندِ متعال اُن جیسے مخلص دوستوں کا ساتھ قائم رکھے۔ اُن مصنفین و علماء جن میں لکھنو کے ایک عالم دین اور مولانا سید محمد عباس نقوی (کامل پور سیّداں۔ ضلع اٹک) شامل ہیں کا بھی ممنونِ احسان ہوں جن کی زبان و قلم سے میں نے بالواسطہ یا بلاواسطہ استفادہ کیا، اسی طرح معروف ادبی شخصیت جناب شکیل بخاری (البرہمی، سلطنتِ عمان) نے املا اور برادرم سیّد حضور امام کاظمی نے نفسِ متعن کی اصلاح کا کٹھن ذمہ اُٹھایا میں اُن کا احسان مند ہوں۔ قادرِ مطلق سے دُعا گو ہوں کہ اِن تمام احباب کو جزائے خیر اور حقیقی معرفتِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرفراز فرمائے اور ان کی توفیقات بلند

فرمائے۔ سب سے بڑھ کر میں سیّدہ سلام اللہ علیہا کا احسان مند ہوں جن سے راہ نمائی کی خصوصی درخواست اور مسلسل استغاثہ کے ساتھ اس موضوع پر قلم اُٹھانے کی جرات کی۔ میں اللہ تبارک تعالیٰ کا شکر گزار ہوں کہ اُس نے میری جستجو اور دلچسپی کو برقرار رکھا اور اس کام کو مشکلات کے باوجود پایہ تکمیل تک پہنچانے کا حوصلہ اور لگن عطا کی۔ میں نے جو کچھ بھی لکھا ہے اپنے معصوم اجداد کی خوشنودی، اُن کی حرمت و تعظیم اور اُن کی آل و ذریّت کے ناموس کے دفاع کے لئے لکھا ہے، انسانوں کی مخالفت اور فتوؤں سے نہ تو خوف و گھبراہٹ ہے اور نہ ہی کسی صلہ کی لالچ و توقع، البتہ اللہ رب العزت سے دعا گو ہوں کہ میرے بچوں کو دین و دُنیا کے ہر میدان میں کامیابی عطا فرمائے، اُنہیں اس دینِ حقہ خیر البریّہ کی خدمت کا شرف عطا فرمائے، میں اپنے مرحوم والدین کے لئے بہ وسیلۂ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی عترتِ طیّبہ معصومہ کے توسل سے جزائے خیر فی الدارین کا طالب و راجعی ہوں، اللہ تعالیٰ میرے والدین کو جوارِ آئمہ علیہم السلام میں جگہ عطا فرمائے۔ الٰہی آمین بحق علی علیہ السلام و بحقِ بتول علیہا السلام۔

فہرست

تاثُراتــــ ومحسُوســــاتــــ

تصنیف بعُنوان سِرُّ المُبین جو محترم سید آفتاب حسین کاظمی صاحب کی قلمی کاوش اور تدیُّن آمیز جزبوں کا حُسین مرقّع ہے، میرے عزیز عالی قدر سید ابصار عباس کی وساطت سے نور العین بن کر میرے دستِ مُرتعِش میں جلوہ فگن ہے۔

کتاب کے عنوانات اور ابواب کو نہایت عُمدگی سے مرتّب کیا گیا ہے، سادات کی حُرمت و عظمت کو آیات قرآنیہ' فرمودات معصومیہ' منقولاتِ معقولیہ' صفحاتِ تاریخیہ' اور تنقیداتِ صحیحیہ و قطعیّہ سے اس طرح مزیّن کیا گیا ہے کہ ہر حق کے متلاشی کا حق کی منزل تک پہنچنا نہایت سہل نظر آتا ہے۔۔۔ اور یہ یقین بھی مزید پختہ ہو تا جلا جاتا ہے کہ راہِ راست سے پھسلنے والے اپنی بے راہروی پر قائم رہنے کے بعد' بہت جلد عدالتِ الٰہیہ میں حاضر ہو کر اپنے فتووں اور کرتُوتوں کا صِلہ پالیں گے۔

مُناکَحت کے ان نازک ترین مسائل پر علماء' مجتہدین الگ الگ نظریات کے حامل ہیں لیکن جناب آفتاب کاظمی نے غیر مستحسن نظریات کے بُطلان میں حق بیّن' علمائے اعلام اور فقہائے عظام کی تصنیفات سے گلہائے عطریاش چُن چُن کر۔۔۔ نیز عقلِ انسانی کی بکھری ہوئی کلیوں کو جس استدلالِ شریعہ کی دِلآفریں مالا میں پرویا ہے وہ اپنی مہک سے ہر باضمیر سیّد اور ہر غیرت مند اُمّتی کے قوائے ایمانی کو معطّر کرتی رہے گی، اس لئے کہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے۔

اگر بات دلائل و براہین پر صرف اس صورت میں منحصر ہوتی کہ بغیر فقہا کے کسی غیر فقیہ کی قائم کردہ دلیل بے وقعت تصور ہوتی تو نبی آخر الزّمان ﷺ ایک ناخواندہ' ضعیف العقل' عربی مستوُر کی وجودِ خالقِ کائنات پر پیش کردہ دلیل کو کبھی سنَد کا درجہ عطانہ فرماتے کہ عَلَیکُمْ بِدِیْنِ الَعجَائِزِ۔ یعنی بوڑھی عوتوں والے دین کو پکڑو۔۔۔ لہٰذا اولادِ رسولؐ اور بناتِ علیؑ و بتولؑ ساداتِ عالی درجات کو اپنی خاندانی عزّت و حُرمت کو انقلابِ زمانہ' سیلابِ فقیہانہ کی موّاجِ قاہرانہ سے محفوظ رکھنا حیاتِ مُستعار کا سب بڑا اجہاد سمجھنا ہو گا۔

آخر میں صرف دو معروضات پیش کرنا چاہتا ہوں کہ جب بھی کوئی سید زادہ' دُنیاوی جاہ و حشمت اور کثرتِ زر و مال کے شکنجے میں پھنس کر اپنی بیٹی کو کسی غیر سیّد کے عقد میں دے گا تو ایسی صورت میں اُس کی چہتی بیٹی کی اولاد۔۔۔ چوہدری ہو سکتی ہے، جنجوعہ ہو سکتی ہے، راجہ و خان ہو سکتی ہے، صدیقی، فاروقی، عثمانی، عبّاسی ہو سکتی ہے لیکن سادات نہیں ہو سکتی۔۔۔ یعنی تمام نواسے، نواسیاں غیر سیّد کہلوائیں گے۔۔۔ لیکن ایک مجذُوب سیّد کے پوتے، پوتیاں قیامت تک سادات اور ذُریّتِ رسولؐ کہلوائیں گے، گویا غیرتِ نسبی کو سِکوّں میں بیچنے کے سبب وہ اپنی بیٹی کی مرتبت کو اغیار کے تصرفات میں لے آیا۔

اس کے علاوہ ہر کم سے کم عقل کے حامل اور عقلِ کُل کے دعویدار انسان سے بھی سوال ہے کہ اگر کُل کائنات کے فقہا، مجتہدین اور مراجعِ عظام بِلا اختلاف اور بالاتفاق فتویٰ صادر کر دیں کہ سیّد زادی کا عقد' غیر سیّد سے ہو سکتا ہے۔۔۔ لیکن کُل اولادِ رسولؐ تمام فقہا کی فقاہتِ دینی کے تسلیم کرنے کے باوجود' اپنی قومی غیرت و حمیّت

اور شرفِ سیادت کی محافظت کے لئے عہد کر لے کہ ہم اولادِ زہرا سلام اللہ علیہا سے تعلق رکھنے والی اپنی بیٹیوں کو کسی دُنیاوی، مادی، معاشی اور سیاسی منفعت سے مرعُوب و مرغُوب ہو کر کبھی غیر سیّد کے عقد میں نہیں دیں گے تو کیا مجتہدین کا فتویٰ خود ہی دم توڑ تا ہو نہ رہ جائے گا؟

ہاں تو مسئلہ صرف ذاتی حمیّت، خاندانی شرافت اور انتسابی غیرت کا ہے اگر سادات اس عہد پر قائم رہیں

ہر فوق سے مافوق ہے سادات کا پایہ
اِس اَوج کہ مٹی میں مِلانے نہیں دیں گے
ذُریّت، زہراؑ کو جو رُتبہ دیا حق نے
ہم ہاتھ سے ہر گز اسے جانے نہیں دین گے

احقرُ العباد

مولانا سیّد محمد عباس نقوی

کاملپور سیّداں، اٹک کینٹ، پاکستان

تقریز

بسم تعالے

میں ان تمام شہدا کو سلام پیش کرتا ہوں جو اہل البیت علیہم السلام کی راہ میں حق گوئی کے جرم میں مارے جاچکے ہیں بلخصوص شہید سید فضل عباس شمسی المعروف بہ سید مظلوم جنہیں اولادِ یزید نے نہایت سفاکی سے پسرور ضلع سیالکوٹ میں شہید کیا۔

میں جناب سید آفتاب حسین کا تہے دل سے سپاس گذار ہوں کہ انہوں نے ہزار مصروفیات کے باوجود اس نفسا نفسی کے عالم میں بھی کچھ حقائق سر المبین کے نام پر پڑھے لکھے قارئین تک پہنچانے کی سعی کی، اللہ اُن کی اس کوشش کو قبول فرمائے اور اُن کو اس کاوشوں کا صلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے، جناب سید موصوف نے اس کتاب میں کسی بھی مصلحت اندشی کا شکار ہوئے بغیر حقائق کو برھان اور دلیل سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے یہ بہت بڑی علمی خدمت اور مستحسن قدم ہے اُنہوں نے اس کتاب میں اپنے ایمانی جذبات کو عقل اور کتاب وسنت کی رو سے پیش کیا ہے جن پر غور کیا جاے تو بہت سارے مسائل کا راہِ حل بھی واضح ہو جاتا ہے، بلاشبہ یہ کتاب سید موصوف کی علمی زہمتوں کا نتیجہ ہے۔

قارئین محترم! انظروا ما قال و لا تنظرو من قال کی روُسے ہماری ذمہ داری بنتی ہے کہ ہم زمانے کے عالم نما افراد کی باتوں پر اکتفاء نہ کریں بلکہ ہر بات کی تحقیق کریں، کور کورانہ تقلید نہ کریں، غور کیجئے! اگر عالم تشیع کا قومی سرمایہ اور اقتدار کا منصب اسی سالہ افراد کے ہاتھوں سے آزاد ہو جائے تو پوری کائنات میں انقلاب برپا ہو سکتا ہے۔ خُداوند متعال جناب آغا سید آفتاب حسین کو طول عمر عطا فرمائے اور اُن کی حوائج شرعیہ کو پورا فرمائے۔ آمین

(آیت اللہ) **محمد باقر مقدسی** (اُستاد سطح عالی)

حوزہ علمیہ قم، ایران

ابتدائیہ

سرّ المُبین میں ہم نے اپنی گفتگو کو اختصار میں رکھنے اور محدودِ چند بڑے اعتراضات اور نکات کو ہی زیر بحث لانا چاہتے تھے مگر یہ موضوع بے شمار ضمنی پہلو اور متعلقات رکھتا ہے جن کو صرف چند درجن صفحات پر بیان کر دینا ہمارے لئے ممکن نہ تھا، کتاب کی اشاعت سے قبل اسی موضوع پر راقم کے ایک کتابچہ نے ہلچل مچا دی اور قارئین اور دوست احباب کی جانب سے بہت سے سوالات و اعتراضات ایک تواتر کے ساتھ اُٹھائے گئے اور ہمارے لئے ضروری ہوا کہ موصولہ اعتراضات واِستفسارات کے مقدور بھر مُدلّل جوابات دیئے جائیں، عدیم الفرصتی آڑے آرہی تھی چنانچہ ایک دوسرے تحقیقی پروجیکٹ پر کام روکنا پڑا، ایک مرتبہ پھر پرانے نوٹس، حوالہ جات اور دستیاب کتب کی چھان پھٹک شروع کی، اس دوران جو امور بطورِ خاص پیش نظر رہے اُن میں قرآن مجید سے متنِ احادیث وروایات کا موازنہ، اہل بیت' آلِ محمدصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اور عترت کے معنی، بنی ہاشم و بنی عبد المطلب کی تاریخ اور مقام، حکم زکوٰۃ اور اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی ممانعت، فلسفہ خمس اور اس کے اہل و مصارف، کفؤ کی تعبیر و تشریح، علماء کے فتاویٰ، اُن کے دستیاب استدلال و تاویلات، اور معصومینؑ کی سیرت و عمل شامل رہے۔ ہمیں یہ کہنے میں کوئی امر مانع نہیں کہ سیّدزادی فاطمیہ کی غیر سادات کے ساتھ مناکحت کے قائلین اگر دانستاً ژولید گی پیدا نہیں کر رہے تو نادانستاً اس کا شکار

ضرور ہیں، یہ حضرات نہ صرف صریح آیات قرآنیہ واحادیث سے صرفِ نظر کرتے ہیں بلکہ بعض ایسے امور کو بھی اس بحث میں شامل کر کے حسب منشاء نتیجہ نکالا جاتا ہے جن کا جواز ہی نہیں بنتا مثلاً آل محمدؐ کو بنی ہاشم سے علیحدہ کسی دیگر شرف و فضیلت کا حامل نہ جاننا، ان کی ساری فضیلتوں کو رسول اللہؐ کے بجائے صرف جنابِ ہاشم کا ہی مرہون منت جاننا، مستحقین خمس میں تمام بنی ہاشم کو داخل اور خمس کو زکوٰۃ کا نعم البدل قرار دیا جانا وغیرہ وغیرہ۔ علمائے امامیہ اور علمائے جمہور دونوں ہی سیادت کو جناب ہاشم سے شروع کرتے ہیں اور اس کی اقسام و دراجات کو قابل توجہ نہیں سمجھتے جیسے کہ عصمت کے معاملہ میں علماء امامیہ عصمتِ کبریٰ اور عصمتِ صغریٰ اور اب ایک نئی اختراع یعنی عصمتِ کسبی کے قائل ہیں۔ حضرت زینبؓ بنتِ جحش اور نبی اکرمؐ کے چچا کی بیٹی حضرت صباغہؓ بنت زبیر بن عبدالمطلب کے بالترتیب حضرت زیدؓ بن حارثہ اور حضرت مقدادؓ بن الاسود سے نکاح کو دلیل بنایا جاتا ہے اور بلا تخصیص تمام ہاشمیات کی مناکحت غیر ہاشمی افراد سے جائز و حلال ثابت کی جاتی ہے، یہ تاثر بھی دیا جاتا ہے کہ حضور اکرمؐ کی پھوپھی زاد زینبؓ بنت جحش ہاشمی مستور تھیں حالانکہ ان کے والد کا تعلق قبیلہ بنی اسد سے تھا جس نسبت سے وہ اسدی تھیں، سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا اولادِ رسولؐ فقط ہاشمی ہی ہے اور نسبتِ رسولؐ سے کسی افتخار و فضیلت، تعظیم و تکریم کی مستحق و حامل نہیں؟ کیا ایسا عقیدہ رکھنا درست ہے یا عملاً شان و عظمتِ رسول اللہؐ کا انکار اور کفر ہے؟ دینی حقائق و موارد گواہ ہیں کہ اولادِ رسولؐ کو نسبتِ رسولؐ کی فضیلتوں سے جُدا سمجھنا ذریّت رسولؐ سے بغض و عناد کی علامت ہے، اس کے برعکس آلِ محمدؐ کی

فضیلت صرف ہاشمیت پر نہیں رکتی بلکہ اس مقام سے آگے اپنے اوج کمال کی طرف بڑھ جاتی ہے، آئندہ صفحات میں اس پر تفصیل کے ساتھ بحث کی جائے گی۔

کچھ احباب نے شکوہ کیا ہے کہ تمہیدی کتابچہ میں مشکل زبان اور اسلوبِ نگارش استعمال ہوا ہے، میرا خیال ہے کہ زبان و بیان اتنا مشکل بھی نہ تھا کہ وہ قارئین کے گوہر شناس اذہانِ عالیہ کے لئے کوئی رکاوٹ بنتا، بہرحال معذرت کا طلب گار ہوں۔ اسے میری کوتاہی سمجھیے کہ انگریزی صحافت کی پیشہ ورانہ ضروریات کے باعث پچھلے پچیس تیس برس میں اردو زبان و ادب کا مناسب مطالعہ نہیں کر سکا جس سے اردو زبان و ادب کے جدید اسلوب سے قدرے ناآشنائی دامن گیر ہے، ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ میری فکر، مطالعہ، اور طرز استدلال پر مذہب حقہ خیر البریۃ کے قدیم علماء و محققین کی گہری چھاپ اور اثرات ہیں، ان میں مولانا سید عبد اللہ شاہ عبدؔ موسوی سید کسرانی اعلی اللہ مقامہ، مولوی سیّد احمد شاہ مشہدی اعلی اللہ مقامہ، آغا سلطان مرزا دہلوی اعلی اللہ مقامہ، علامہ بشیر انصاری اعلی اللہ مقامہ اور ان جیسی دیگر اور نابغہ روزگار شخصیات شامل ہیں مولانا عبدؔ موسوی' کاظمی النسب اور سید کسرانی ہونے کے ناطے میرے بزرگوں میں بھی شمار ہوتے ہیں اور روحانی اساتذہ میں بھی، میں نے ان کی تحریروں سے استفادہ کیا ہے خصوصاً ان کی کتاب علی سلطاناً نصیرا کی زبان اور طرز استدلال میرے لئے انتہائی متاثر کن رہا ہے، مولوی سید احمد شاہ مشہدی کے گھر سے تو میں نے زانوِ تلمیذ طے کرنے سیکھے ہیں مولوی صاحب کی صاحبزادیاں میری اُستاد رہی ہیں، میں اِن تمام کی بلندیِ درجات

کے لیے بارگاہ احدیّت میں ہمہ وقت دعاگو ہوں، ایک دیگر متاثر کن شخصیت علامہ غلام حسن کاظمی اعلی اللہ مقامہ کی تھی جن سے قریبی خاندانی تعلق اور تحریروں سے استفادہ نے ذہن کی بے آب و گیاہ زمین کو سیراب کیا، علامہ مرحوم نہ صرف لفظِ پاکستان کے حقیقی خالق ہیں بلکہ تقریباً ڈیڑھ صد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کُتب کے مصنف بھی ہیں، علامہ کے فرزند سید حضور امام کاظمی (مظفر آباد۔ آزاد کشمیر) خود بھی ایک علمی اور ادبی شخصیت ہیں، اُن کی برادرنہ شفقت اور حوصلہ افزائی ہمیشہ ہر قدم پر بشکلِ سرمایۂ گراں قدر ساتھ ہے، علامہ مرحوم علم الانساب کے ماہر بھی تھے، اُن کی علم الانساب میں دلچسپی اور شجرۂ نسبِ سادات اور حرمت بنات رسولؐ پر کام نے اتنا متاثر کیا کہ میں بھی اس دشتِ پرخار کی سیاحت کا گرویدہ ہوتا چلا گیا۔

میرے دادا علامہ سید نور حسن اعلیٰ اللہ مقامہ (مدفون ایبٹ آباد) اور والد گرامی سید شاہ رحمنؒ (سید سلطان علی) اعلیٰ اللہ مقامہ کا دین سے والہانہ لگاؤ اور ملت جعفریہ کے لئے مسلسل خدمات سے اجداد باصفاء کی علمی 'مذہبی' اور تحقیقی روایات کو زندگی میں راسخ رکھنے کا درس ملا، چنانچہ میں یہ بجا طور پر کہہ سکتا ہوں کہ میرا تعلق ایک علمی گھرانے سے ہے جو دینی اور خاندانی اصولوں اور روایات پر آج کے اس پُر آشوب زمانہ میں بھی کاربند ہے، بہر حال میں اپنی کم مائیگی کا معترف ہوں اور شہید عبدالکریم مشتاق کے یہ الفاظ میری ڈھارس کے لئے کافی ہیں میرے لئے یہ اعزاز نعمت خاص ہے کہ مولاؑ نے میرے چھوٹے منہ سے بڑی باتیں کہلوائی ہیں[1]۔ شہید کے یہ الفاظ بھی پیش خدمت ہیں جن سے کوئی صاحب علم انکار نہیں کر سکتا

---

[1] انگور کھٹے ہیں، ص 8، مصنف عبدالکریم مشتاق

علم خداوند عالم کا عطیہ خاص ہے اس میں کسب کا حصّہ قلیل ہے اور فضل کا وافر... واضح ہو کہ علم کسی کی میراث نہیں کہ اسے صرف سنی مولوی یا شیعہ عالم کے لئے وقف قرار دیا جائے۔[2]

شہید کے یہ الفاظ قرآن مجید کی اس آیہ مبارکہ سے ربط رکھتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ[3]۔ تقویٰ اختیار کرو اور اللہ تمہیں تعلیم دے گا۔

بہرحال سِرّ المُبین کے عنوان سے کتابچہ کیا شائع ہوا تنقید و اعتراضات کی باڑ ہی آگئی، قدرِی مایوسی بھی ہوئی اور یوں محسوس ہوا کہ برسات میں چھتری کے بغیر ہی نکل پڑا ہوں، پھر یہ خیال آیا کہ یہ تغافل شعاری کا دور ہے، مخلوقِ خدا کو درست حقائق سے روشناس کرانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے جس کے لئے مانند فرہاد سینۂ کوہ کو چیرنا پڑتا ہے، یہ زمانے کی حرماں نصیبی ہے کہ جہالت اور زعمِ علم آئے روز شور شیں برپا کر رہے ہیں، عامۃ الناس تو ایک طرف علماء' ذاکرین' خطباء' اور مقررین بھی ایک دوسرے کے وقار کو تباہ و مجروح کرنے پر کمربستہ ہیں، اپنے علاوہ ہر دوسرے فرد کی تحقیق و جستجو کو فوراً مہمل اور لغو قرار دے دیا جاتا ہے، چنانچہ کسی کی خالص علمی اور تحقیقی کوشش پر تنقید اور رطب للسانی کا مقصد اصلاح نہیں بلکہ نقاد کی اپنے نام نہاد علمی وقار اور بزرگی کے تحفظ کی ایک کوشش ہوتی ہے، چنانچہ ہمیں کسی کے نفسیاتی عوارض اور غیر تعمیری تنقید کی زرہ برابر پرواہ نہیں، ہم نے اپنے دین کو پوری

---

[2] ایضاً، صفحہ 21

[3] سورہ بقرہ، آیت 282

توجہ سے سمجھ کر امر بالمعروف و نہی عن المنکر کو جاری رکھنا ہے، کسی کی ملامت ہمارے راستے کی رکاوٹ نہیں بن سکتی، امیر المومنینؑ کا نہج البلاغہ میں فرمان ہے

وجاھد فی اللہ حق جہادہ ولا تاخذک فی اللہ لومۃ لائم۔
خدا کے لئے حقِ جہاد ادا کرو اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اثر نہ لو۔

جنابِ امیر علیہ السلام کا یہ بھی فرمایا ہے کہ الناس اعداء ما جھلوا۔ یعنی لوگ جس کو نہیں جانتے اس کے دشمن ہوتے ہیں، مجھے عوام الناس سے کسی صلہ کی تمنا یا لالچ نہیں اور نہ ہی کوئی خوف و تذبذب، ہاں اگر کوئی صلہ چاہیے ہے تو وہ فقط صدیقہ کونینؑ کی خوشنودی ہے جس کے لئے یہ گدائے بے گلیم ہمہ وقت اپنا کاسۂ گدائی بلند رکھتا ہے، تاہم تحقیق میرا پیشہ ہے اور دینی حقائق کی تحقیق تو واجبات میں سے ہے

دینی حقائق کی تحقیق اور نبیؐ کے صحیح آثار کی تلاش واجب شرعی ہے۔۔۔ ہر حقیقت کے متلاشی انسان کو نقد و تبصرہ سے کام لینا پڑے گا ورنہ حقیقت کا ادراک نہیں کیا جا سکے گا، بالکل اسی طرح جیسے اہل سنت والجماعت نے صحابہ کی عدالت کے سلسلہ میں مبالغہ کیا اور ان کے حالات کی تحقیق نہ کی لہذا آج تک حق سے ناآشنا ہیں۔۔۔ اہلسنت کی نظر میں جہاں خطائے اجتہادی ہو وہاں خاموشی اختیار کرنا چاہیے۔۔۔ میں نہیں سمجھتا کہ آج کے ذہین نوجوان اس مضحکہ خیز رویہ کو قبول کریں گے۔۔۔ محقق پر لازم ہے کہ وہ اپنی جگہ بعض ایسے اسرار سے پردہ ہٹائیں جو آج تک جرات و شجاعت کے دھنی کے محتاج چلے آرہے ہیں۔[4]

[4] صحابہ کے متعلق، ص 4، 6، 8، 10، مصنف ڈاکٹر محمد تیجانی سماوی

کچھ اس قسم کا عقیدہ بھی اہل تشیع میں علماء اور ان کے اجتہادات سے متعلق در آیا ہے، مذہب حقہ خیر البریّہ کے تمام ماننے والوں کو جراتِ رندانہ رکھتے ہوئے ایسے عقیدہ کا بطلان کرتے ہوئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو جاری رکھنا ہو گا، قول معصوم ہے

> امر با لمعروف اور نہی عن المنکر کو ہرگز ترک نہ کرو ورنہ خُدا شریروں کو تم پر مسلط کر دے گا، پھر اگر خُدا سے فریاد کرو گے تو بھی دعا قبول نہ ہو گی[5]۔

ہم اس کتاب کے ذریعہ سے اسی فریضہ کو ادا کر رہے ہیں لیکن یہ تسلیم کرتے ہوئے بھی کوئی جھجک نہیں کہ بالفاظ علامہ ذیشان حیدر جوادی مرحوم

> میں صاحب زبان و ادب نہیں ہوں کہ مجھے قلم کاری میں کوئی زحمت ہو، اور مدعی عصمت بھی نہیں ہوں کہ خطا و اشتباہ سے بالاتر اقدام کرسکوں، میں اپنے علم و معلومات کی روشنی میں کام کرتا ہوں اور جب کوئی مخلص کسی غلطی کی طرف متوجہ کر دیتا ہے تو فوراً اصلاح کر لیتا ہوں۔[6]

اعتراضات و سوالات نے تقاضہ کیا کہ اب اختصار سے کام نہیں چلے گا بلکہ اُن پہلوں اور محرکات کو بھی سامنے لانا ہو گا جن کے زیر اثر اپنوں نے بھی دشمنوں کا

---

[5] اسرار امامت۔ص 35، ترجمہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی، مترجم مرزا یوسف حسین لکھنوی
[6] قمر بنی ہاشم، ص 14، مطبع الہ آباد بھارت، علامہ سید ذیشان حیدر جوادی

رویہ اختیار کر رکھا ہے، دوست اور دشمن دونوں ہی آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف ایک ہی صف میں کمربستہ دکھائی دیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا ثابت کیا جا رہا ہے تو امیر کائنات علیہ السلام کی دشمنی میں اُن کی اولاد پر ظلم و جور کو روا رکھا جا رہا ہے، میری مومنین سے گزارش ہے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین کو فقط اغیار تک ہی محدود نہ سمجھیں بلکہ اپنی صفوں میں بھی جھانکیں اور دیکھیں کہ کیسے کیسے لوگ چھپے بیٹھے ہیں، خود سے یہ سوال بھی کریں کہ کیا یہ ہی اجر ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محنت کا جو انہوں نے انسانوں کو آتشِ جہنم سے بچانے اور سلامتی کا راستہ دکھانے کے لئے کی؟ صدیوں کے ظلم و جور سے اولادِ رسول زخم زخم ہے اور اُمت کو یہ اختیار حاصل ہے کہ جس کے ہاتھ میں جو ہے وہ دے مارے؟ کیا یہ ہی اجرِ رسالت ہے؟

تاریخ اسلام کے سیاہ اوراق کی چھان پھٹک کر کے دیکھیں کہ حدیث سازی کا سہارا لے کر دین میں وہ بدعات و خرافات پیدا کی گئیں جن کا ہدفِ اعلیٰ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجداد اور امیر المومنین علیہ السلام کی ذواتِ مقدسہ تھیں، کہیں مخدومہ کائنات حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کی شان کو گھٹانے کے لئے دیگر ازواج رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقابل لایا گیا تو کہیں عظمتِ سیّدہ کائنات حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے مقابل تین تین رسولؐ زادیاں ثابت کی گئیں، علی علیہ السلام کی دامادیٔ رسولؐ نے دِلوں میں بغض پیدا کیا تو جعلی دامادِ رسولؐ پیدا کئے گئے، جب اس سے بھی مقصود ہاتھ نہ آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر علیہ السلام کے اجداد کو نعوذ باللہ کافر ثابت کیا جاتا رہا، اُمّتی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیٹی کا رشتہ نہ ملا تو اُسی کو نعوذ باللہ رسولؐ زادی کا داماد بنا ڈالا، جب اس سے بھی دل نہ بھرا تو دخترِ حسینؑ (فاطمہ بنت الحسینؑ) کو عبد اللہ بن عمرو

بن عثمان کے نکاح میں دکھایا گیا، حتیٰ کہ اولادِ رسول ﷺ کی نسبی شرافت و فضیلت کو بے کار و عبث ظاہر کر کے بناتِ رسول ﷺ کو مفضولین کے تصرف میں دیا جانے لگا، کیا یہ دشمنی کہیں رکنے والی ہے؟ کیا کسی کو خوفِ خُدا ہے؟ مقامِ صد افسوس ہے کہ اپنے بھی دانستہ و نادانستہ اس تحریک میں شامل ہوتے جا رہے ہیں جس کا مقصد اولادِ رسول ﷺ کی فضیلت کو مٹا دینا ہے، خمس بنی فاطمہؑ کی ایک خصوصی فضیلت اور عطاءِ ربانی ہے مگر اس کے دائرے کو وسیع کرتے ہوئے پہلے تمام بنی ہاشم اس کے مستحق قرار دیے گئے اور پھر امام معصومؑ کے ایک قول کی فقیہانہ تاویلات سے اسے تمام شیعوں پر مباح قرار دے دیا گیا کیونکہ معصوم کے قول میں لفظِ شیعہ جو آیا ہے، جسارتیں اس حد تک بڑھ گئی ہیں کہ نام نہاد عالمانہ منطق سے یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ نعوذ باللہ امامؑ نے قرآن و رسولِ خدا کے واضح حکم کو ہی تبدیل کر دیا ہے (پناہ بخدا)۔ میں نے کوشش کی ہے کہ میرا طرزِ تحریر تلخ نہ ہو لیکن میرے اجداد اور مذہب حقہ کے ساتھ صدیوں کی ظاہری اور در پردہ دشمنی میں جب دوست دشمن سب شامل نظر آئیں تو اس کا کچھ تو اثر جھلکے گا! چاروں اطراف ایک ہی طرزِ ذہنیت کار فرما ہے، یاد رکھیں! خمس فقط اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے مستحقین کا حق ہے، اس کے غصّب سے پلنے والے افراد سے نیکی کی توقع عبث ہے کیونکہ جب شکم مالِ غصب سے پُر ہو گا تو تحریر و زبان پر حق کیونکر نمودار ہو سکتا ہے۔

ایک محترم شیرازی سیّد کہنے لگے کہ سیّد زادی فاطمیہ کے عقد کا مسئلہ شہروں میں ہے وہ جس علاقہ (کوہاٹ و ہنگو) میں رہتے ہیں اس کے طول و عرض میں آج تک کسی غیر سیّد نے سیّد زادیوں کے رشتے مانگنے کی جرات نہیں کی، البتہ مجبوری میں جب

سادات کے رشتے دستیاب نہ ہوں تو کیا کیا جائے۔اُن کے آخر الذّکر جملے نے عندیہ دیا کہ محترم کے نزدیک مجبوری میں غیر سادات میں رشتہ دیا جا سکتا ہے، ہم اس کے بارے میں کیا لکھیں! درحالاں کہ یہ ہی مقامِ امتحان ہے فیصلہ آپ کو کرنا ہے کہ نفس اور اس کی خواہشات مقدم ہیں یا دین اور اجدا کی روایات، شاہد اسی لئے ہی نکاح کو سُنت رکھا گیا ہے، میرے سامنے دخترانِ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام اور خواہرانِ امام رضا علیہ السلام کی بیّن نظیر موجود ہے، جناب امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی اکیس بیٹیاں تاریخ میں مرقوم ملتی ہیں کسی ایک کی بھی شادی نہیں ہو سکی، اگر سیّدہ فاطمیہ کی شادی غیر سادات میں جائز ہوتی جیسا کہ علماء و مجتہدین کے فتوے ہیں تو دونوں اماموں کے طرزِ عمل کو کیا کہیں گے، اور اگر سیرت امام درست مانی جائے تو فتاوٰی باطل ثابت ہوتے ہیں، اب سیّد صاحب خود فیصلہ کریں کہ دونوں یعنی سیرتِ آئمہ اور علماء کے فتوؤں میں سے کس کی رد سے کفر لازم آتا ہے، دونوں کو درست کہنے سے جمع بن الضّدین ہوتی ہے جو کہ عبث ہے، رہی بات دستیابی رشتہ کی تو آج کے زمانہ میں اس کی کئی ایک صورتیں موجود ہیں جن پر یہاں بحث باعث طوالت ہو گی۔

محترم سیّد نے یہ نصیحت بھی کی کہ نماز کو بھی اپنا موضوع قلم بنا کر شیعہ قوم کو اس کی اہمیت کی یاد آوری کرائی جائے، گزارش ہے کہ نماز کی اہمیت اور بروقت ادائیگی سے فقط جہلہٗ ہی نا آشنا ہو سکتے ہیں اور شیعان اہل بیت جاہل نہیں ہوتے، علماء نے اس پر اتنا کچھ لکھ دیا ہے کہ اس پر مجھ جیسا تہی دست کیا اضافہ کر سکتا ہے، لمحہٗ فکر یہ ہے کہ علماء کا پند و نصائح اتنا بے اثر کیوں ہو گیا ہے؟ انشااللہ زندگی رہی اور توفیق و

نصرت معصومینؑ شامل حال رہی تو اس پر اپنی معروضات تفصیل کے ساتھ ضرور پیش کرونگا۔

یہاں اتنی عرض ہے کہ مذہب کے حقیقی تصور کو از سر نو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے تاکہ عوام الناس محاسنِ تعلیمات اسلام سے مستفید ہو سکیں، جو تصورِ مذہب اس وقت رائج ہے وہ ہی دراصل تمام پستیوں کا محور ہے، عام مسلمان تو در کنار خود علماء کی ایک اکثریت بھی حقیقی تصورِ اسلام سے نابلد دکھائی دیتی ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ علماء دین نے علم کو دینی اور دُنیاوی علوم میں تقسیم کر رکھا ہے، ایسا تصورِ علم صرف اُسی وقت ہی ممکن ہے جب مذہب کو کوئی مافوق المعاشرہ شئے مان لیا جائے جب کہ ایسا ہر گز نہیں ہے، مذہب ہی معاشرہ کی تشکیل و نمو کی بنیاد اور روح رواں ہے، یہ دُنیا سے ماورا شئے نہیں اور نہ ہی دین اور دُنیا دو الگ الگ چیزیں ہیں، ہاں معاشرہ اگر لادینی افکار پر استوار ہے تو مذہب ایک اضافی شئے بن کر رہ جاتا ہے جہاں علوم دینی اور دُنیاوی تفریق کا شکار ہو جاتے ہیں اور ان کے درمیان ایک واضح خلیج جنم لے لیتی ہے، چنانچہ جب علماء نے خود ہی اس خلیج کو تسلیم کر رکھا ہے تو مذہب کا نفوذ مغرب زدہ معاشرے اور انسانی زندگی پر کیا ہو گا، حقیقت تو یہ ہے کہ اسلام میں علم کا آفاقی تصور ہے جو دینی اور دنیاوی قیود سے بالاتر ہے، وہ علوم جن کو علماء دنیاوی علوم کے زمرہ میں شامل کرتے ہیں جیسے طبیعات، معاشیات، فلکیات، ارضیات، حیاتیات وغیرہ وہ سب ہی مذہب کا حصّہ ہیں، فقط بغدادی قاعدہ اور صرف و نحو اور مسائل دینیہ کی تشریح و تحلیل کرنے والے علوم ہی دینی نہیں ہیں، اسلام کا مطمعہ نظر فلاحِ خلق

ہے جو اس دنیا اور معاشرے میں زندہ ہے، امیر المومنین علی علیہ السلام نے قرآن مجید کی اُس آیت جس میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ ہم نے کتاب کا وارث ان لوگوں کو بنایا جن کو ہم نے اپنے بندوں میں سے مصطفیٰ کیا ہے' کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم اس قرآن کے وارث ہیں جس کے ذریعے سے پہاڑ چلنے لگ جاتے ہیں، شہروں کی مسافت ختم ہو جاتی ہے، مُردے بولنے لگ جاتے ہیں اور ہمیں اس کے ذریعے یہ علم ہے کہ پانی کہاں ہے اور کہاں نہیں ہے اور ہم اس کتاب کے وارث ہیں جس میں ہر چیز کا بیان موجود ہے[7]۔ یہ ارشاد مبارک ثابت کرتا ہے کہ قرآن مجید میں وہ علوم موجود ہیں جنکے ذریعے پہاڑ چلائے جاسکتے ہیں، زمین کے اندر جھانک کر پانی اور دیگر خزانوں کی موجودگی کا پتہ چلایا جا سکتا ہے، زمین سے متعلق علم کو علم الارضیات (Geology) کہا جاتا ہے، اس علم اور اس جیسے دیگر کئی علوم سے مسلمانوں کی بے اعتنائی کی وجہ سے ان سب پر آج مغرب کی خُوب دسترس ہے، کیا ان علوم کی ترویج و ترقی میں علماء دین اور اس دور کے مسلمانوں نے کوئی کردار ادا کیا ہے؟ یہ ہی سبب ہے کہ آج کا نوجوان مذہب کو ایک طرح کے ویکیوم (خلاء) میں معلق دیکھ رہا ہے اور اس کا نتیجہ سامنے ہے، فقط نماز ہی نہیں دین کی ہر عبادت و عقیدہ مسلمانوں کی بے عملی اور کج روی کا شکار ہے، لہٰذا محترم سیّد صاحب کی مجبوری اور نماز سے غفلت پر تشویش' ان دونوں کا حل صرف اور صرف تعمیل حکم رسولؐ میں ثقلین (قرآن و عترتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے حقیقی تمسک رکھنے میں ہی پوشیدہ ہے۔

---

[7] ینابیع المودۃ

ایک تاثر یہ بھی لیا گیا کہ میں علمائے کرام کے خلاف ہوں، میں نے کتابچے میں اس کی وضاحت کر دی تھی لیکن شاید وہ ناکافی ہے یا پھر بے دلیل اور ظنّی فتوٰں کے خلاف لب کشائی کو اس پر معمول کیا گیا، لیکن اس گدائۓ بے گلیم کی نگاہ میں علماء کرام قابل احترام اور معزز ہیں، علمائے مذہب حقہ نے نامساعد حالات میں کام کیا اور دین کی حفاظت کی ہے، تاریخ کے بہت سے گوشے نظروں سے او جھل ہیں اگر اُن پر نظر کی جائے تو آج کی نسل کو اندازہ ہو گا کہ ساداتِ کرام، شیعیان علی علیہ السلام، اور علمائے مذہب حقہ نے آگ و خون کے دریا عبور کئے ہیں، انہی کی بدولت آج حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ اطہار علیہم السلام کے اقوال و فرامین اور عبادات و دعائیں ہم تک پہنچی ہیں، لیکن ایسے افراد بھی علماء کے روپ میں سامنے آتے رہے ہیں جنہوں نے اپنی ذہنی اختراعات، تخمینوں، اور قیاس کے ذریعہ دین کی روح سے متصادم تشریحات و احکامات جاری کئے، چنانچہ تعظیم علماء کا مطلب یہ نہیں کہ ہم عقل و دانش کا دامن ہی ہاتھ سے چھوڑ دیں اور اندھی تقلید اختیار کر لیں، اپنی ہزار ریاضتوں اور قربانیوں کے باوجود علماء معصوم نہیں، میری اس بات کو جسارت نہ سمجھئے گا کہ میں علماء کی تحقیق و تشریحات اور نظریات کو قابلِ نقد و تنقید سمجھتا ہوں، اطاعت و اتباع صرف معصوم کی ہی کی جا سکتی ہے غیر معصوم کی نہیں، تاریخِ عالم میں ایک ایسی شخصیت بھی ہے جس کے علم اور عبادت و ریاضت کے بہت چرچے ہیں، علماء و محقق تو کیا عام مسلمان بھی اُس کی ان خصوصیات سے آگاہ ہیں، لیکن جب وقتِ فیصلہ آیا تو وہ بھی خواہشِ نفس، قیاس

و گمان کو حکم خُداوند تعالیٰ پر مقدّم کر بیٹھا، لٰہذا علم و اکتساب پر اترانہ نہیں چاہیے کہ یہ معصوم عن الخطا کے درجہ پر نہیں لے جاتا بلکہ ادراکِ حقیقت کے لئے مزید امتحانوں میں لا کھڑا کرتا ہے جہاں عقل و دانش سے ذرا سی پہلو تہی عمر بھر کی ریاضتوں اور عبادتوں کو پل بھر میں خس وخاشاک کی طرح بہالے جاتی ہے۔ مجھ پر علماء کی مخالفت کا الزام بالکل ایسا ہی ہے جیسا فقہِ مخالف کے افراد اہل تشیع پر کفرِ صحابہ کا فتویٰ لگاتے ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ حقیقت اس کے بر عکس ہے، شیعہ بھی اصحابِ رسول ﷺ کو مانتے ہیں مگر ایک معیار کو سامنے رکھتے ہوئے، وہ تمام صحابہ کو عادل کہتے ہیں اور ہم ان کو بغیر کسی قید و شرط کے عادل نہیں مانتے، دلیل یہ ہے کہ وہ معصوم عن الخطا نہیں، ان میں ہر طرح کے افراد شامل ہیں، لیکن ہم اس پیمانے کا اطلاق علماء پر کیوں نہیں کر سکتے؟ اگر ایک چیز وہاں غلط ہے تو یہاں پر درست کیسے مان لی جائے؟

فریقِ مخالف نے حدیث سازی کا سہارا لے کر اُمت کے تفرقہ کو رحمت قرار دے دیا تو ہم نے اختلافِ علماء اور فتاویٰ کو رحمت بنا لیا، کیا یہ ایک ہی طرح کی ذہنیت و فکر دونوں جگہ روبہ کار نہیں؟ وہاں اصحاب بالائے تنقید ہیں تو یہاں مفتیانِ دین! . . . وہاں اصحاب کو چھوڑا تو گمراہ' یہاں مفتیوں کے اختلاف کو چھیڑا تو گمراہ! عجیب منطق ہے کہ اختلافِ مفتیاں اور فتاویٰ کو رحمت قرار دیا جا رہا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ تو قرآن مجید میں اختلاف و تفرقہ سے بچنے اور اس میں نہ پڑنے کی ہدایت کر رہا ہے

وَاعْتَصِمُواْ بِحَبْلِ اللّهِ جَمِيعًا وَلاَ تَفَرَّقُواْ [8]

---

[8] سورۃ العمران آیت 103

اور اللہ کی رسی کو مظبوطی سے پکڑے رہو اور آپس میں تفرقہ نہ پیدا کرو

رسول اللہ ﷺ قرآن اور اپنی عترتِ مُطاہرہ سے کنارہ کشی کو گمراہی قرار دیتے ہیں اور امتی اصحاب و علماء کے اجتہادی فیصلوں کی اندھی تقلید نہ کرنے کو گمراہی قرار دیتے ہیں، اب کیا کیا جائے کہ حضوراکرم ﷺ نے حدیثِ ثقلین میں گمراہی و ہلاکت سے بچنے کے لئے بجُز قرآن و عترتِ رسول ﷺ کسی اور کا تو ذکر ہی نہیں فرمایا

إِنِّي تارِكٌ فِيكُمْ ما إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا بَعْدي، أَحَدُهُما أَعْظَمُ مِنَ الآخَرِ: كِتابُ اللهِ حَبْلٌ مَمْدُودٌ مِنَ السَّماءِ إِلَى الأَرْضِ، وَعِتْرَتِي أَهْلُبَيْتِي، وَلَنْ يَفْتَرِقَا حَتّى يَرِدَا عَلَيَّ الْحَوْضَ، فَانْظُرُوا كَيْفَ تَخْلُفُوني فِيهِما [9]

تحقیق میں تم لوگوں میں دو ایسی عالی قدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان کو پکڑے رکھو گے تو میرے بعد گمراہ نہیں ہو گے۔ ان دونوں میں سے ہر ایک دوسرے سے بڑی چیز ہے، اللہ کی کتاب جبل ممدود ہے اور میری عترت میرے اہل بیت، خبر دار (یادرکھو) کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے کبھی جُدا نہ ہو نگی، حتیٰ کہ حوض کوثر پر میرے پاس دونوں اکھٹی وارد ہوں گی۔

کتاب کے آئندہ صفحات میں چند نمونے مودتِ اہل بیت کا دعویٰ کرنے والوں کی کتابوں سے بھی پیشِ خدمت کروں گا تاکہ یہ ثابت ہو کہ ہر بات پر آنکھیں

[9] صحیح ترمذی: ج5/663، حدیث 3788

بند کر کے یقین کرنا کیسا ہے، فیصلہ خود کیجیے گا! ہمیں یقین ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اُمت کو مکمل دین عطا فرمایا ہے، ایمان کا تقاضہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ نے دے دیا ہے اُسے قبول کیا جائے اور قرآن اور آنحضرت ﷺ اور معصومین علیہم السلام کی سنت کے خلاف کسی بھی بزرگ کے قول و عمل کو واجب الاطاعت نہ سمجھا جائے، حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ جو کوئی ایسا عمل کرئے کہ ہم نے اس کے بارے میں حکم نہ دیا ہو وہ عمل مردود و نا قابل قبول ہے [10]۔ شہید عبد الکریم مشتاق کہتے ہیں

> اسلامی احکام کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے۔ لہٰذا خدا نے تمام مصلحتوں اور وقتی ضرورتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے۔ اپنے قوانین نازل کئے ہیں۔۔۔ لہٰذا جو شخص خدا اور محمد ﷺ کی نبوت پر ایمان لانے کا عہد کریگا۔ عقلاً اسے اطاعت رسول ﷺ کو عمل اُمت پر ترجیح دینا پڑے گی۔ پس کوئی بھی حکم جو قرآن و سنت نبوی کے خلاف ہو گا ایک صحیح العقیدہ مومن کیلئے واجب الاتباع نہیں ہے خواہ وہ حکم کیسی ہی عظیم الشان ہستی ہی کا کیوں نہ ہو۔[11]

ہم نے اپنے بیان کی تصدیق کے لئے آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری اعلی اللہ مقامہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جائز و ممدوح تقلید' خود سپردگی 'آنکھیں بند کر لینا اور خود کو کسی کے حوالے کر دینا نہیں ہے بلکہ آنکھ کھولے رہنا اور

---

[10] فروع دین، صفحہ 41: مصنف عبدالکریم مشتاق
[11] ایضاً، صفحہ 84-86

ہوشیار رہنا ہے ورنہ وہ جرم میں شریک مانیں جائیں گے۔ محمد بن مرتضیٰ المعروف بہ ملّا فیض کاشانی اپنی تفسیر صافی میں ایک روایت کو دو حوالوں سے نقل کرتے ہیں

> کتاب کافی اور تہذیب دونوں میں امام باقر علیہ السلام سے یہ مروی ہے کہ آخری زمانے میں ایک قوم ہو گی جس میں ایسے گروہ کی پیروی کی جائے گی جو ریاکار ہو (گا) وہ نماز' روزے کے پابند اور عبادت گزار ہوں گے جدت پسند اور احمق ہوں گے وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیں گے جب تک انہیں یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ وہ نقصان سے محفوظ رہیں گے وہ اپنے لئے طرح طرح کے حیلے اور بہانے تلاش کریں گے علماء کی لغزشوں اور ان کے غلط کاموں کی پیروی کریں گے۔[12]

آیئے اب ابو جعفر محمد ابن یعقوب کلینی الرازی علیہ الرحمہ کے الفاظ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں، جناب کلینی کی کتاب الکافی مختلف زبانوں اور ممالک میں طبع ہو چکی ہے لیکن جو چیز شائع نہیں ہوئی وہ اس کتاب کا مقدمہ ہے، شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی ایک کتاب ثواب الاعمال و عقاب الاعمال کا اردو ترجمہ الکساء پبلیشرز نے کراچی سے شائع کیا ہے جس کے آغاز میں اس مقدمہ کو شامل کیا گیا ہے، اس کے شروع میں ناشر نے قوسین کے اندر یہ جملہ لکھا ہے کہ جس کو ترجمہ نہ کر کے آج تک تمام مترجمین نے عمداً چھپایا۔ اس مقدمہ میں جناب کلینی ایک امام معصوم کا ارشاد بیان کرتے ہیں

---

[12] تفسیر صافی، جلد 2، صفحہ 119

جس نے اپنا دین' قرآن اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی احادیث سے حاصل کیا وہ شخص پہاڑ کی طرح دین پر قائم رہتا ہے، اور جس نے دین' لوگوں کے اقوال اور فتاویٰ سے حاصل کیا اس کا دین مردود ہے کیونکہ فتوے دینے والے خود اپنے فتاویٰ کو بدلتے رہتے ہیں اور اپنے سابقہ اقوال کو مردود قرار دے کر نئی راہوں پر اپنے مقلدین کو ڈالتے رہتے ہیں۔[13]

وہ مزید لکھتے ہیں

اے برادر! خُدا تیری ہدایت فرمائے، آگاہ ہو کہ کسی شخص کو یہ اختیار نہیں دیا گیا' کہ آئمہ علیہم السلام کی احادیث کے بارے میں راویوں کے اختلافات کو موضوع بحث بنائے اور ان احادیث کو قبول یا رد کرنے کا دعویٰ کرے، یاد رکھ کہ معصومین علیہم السلام نے صحیح حدیث کی پہچان کا خود یہ معیار بتایا ہے کہ "حدیث کے متن کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھو۔ اگر قرآن اس متن کو قبول کرے تم بھی قبول کر لو اور اگر قرآن اسے قبول نہ کرئے تو تم بھی قبول نہ کرو"۔[14]

اللہ سبحان تعالیٰ کا حکم بھی ہے

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔[15]

---

[13] ثواب الاعمال و عقاب الاعمال، صفحہ 15
[14] ثواب الاعمال و عقاب الاعمال، صفحہ 17
[15] سورة الروم، آیت 30

آپ اپنے رخ کو دین کی طرف رکھیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی ہے، یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے مگر لوگوں کی اکثریت اس بات سے بالکل بے خبر ہے۔

ہمارے اس موضع پر قلم اُٹھانے سے سیخ پا ایک قائل جواز نے اپنی دانست میں تیر مارتے ہوئے مجھے انٹرنیٹ کا ایک لنک دیا اور یوٹیوب (youtube) پر ایک وڈیو دیکھنے کو کہا، یہ دو گھنٹے دورانیہ کا ایک درس تھا جو کراچی کے ایک مدرسہ میں ایک مولوی صاحب طالبات کو سیّد زادی کے غیر سیّد کے ساتھ نکاح کے جواز پر دلائل سے مسلح کر رہے تھے، انہوں نے قائلینِ عدم جواز کے دلائل و اعتراضات کو بھی انتہائی تضحیک اور مضحکہ خیز انداز سے ہدفِ تنقید بنایا، مولوی صاحب کا اندازِ بیان، اور دلائل سن کر ان کے سامنے بیٹھی ہوئی بچیوں اور خواتین کے بارے میں میرے دل سے دعا نکلی کہ اگر مُدّرسین ایسے ہیں تو اللہ تعالیٰ اُن کے دین و ایمان کی حفاظت کرے۔ موصوف حضرت زینبؓ بنت جحش اسدی کو بار بار ہاشمی بیان کرتے رہے اور سوائے سطحی بیانات کے کوئی بھی محکم دلیل پیش نہ کر سکے، ان کا اصرار فقط حضراتِ مراجع کی عظمت اور اُن کے فتاویٰ کی وکالت تک ہی محدود نظر آیا، ان صاحب کے بس میں نہیں تھا وگرنہ وہ مراجع حضرات کو معصومیت کی ایک اختراعی قسم جسے انہوں نے خود اکتسابی معصومیت کا نام دیا ہے پر فائز قرار دے دیتے۔ وہ دورانِ درس کہتے ہیں کہ سیدانی کے نکاح کا معاملہ تو مکمل طور پر ایک نان ایشو (non-issue) ہے اور تمام مراجعُوں کو اس طرزِ مناکحت پر کوئی اشکال نہیں، ان کا کہنا ہے کہ صرف

جاہل اور دشمنانِ دین ہی اس معاملہ کو ایشو بنارہے ہیں' اگر یہ معاملہ اتنا ہی اہم تھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بارے میں کوئی واضح حکم دے کر جاتے۔ مولوی صاحب کی یہ دلیل اگرمان لی جائے تو خود موصوف کا آدھے سے زیادہ مذہب ہی بیکار ہو جاتا ہے، کتنے ہی امور ایسے ہیں کہ جن پر بقول مولوی حضرات بظاہر کوئی واضح آیت قرآنیہ یا حدیث نہیں ملتی، اس دلیل کے بعد تو استنباط شرعی، استدلال وبراہین' حتیٰ کہ اجتہاد کی بھی چنداں ضرورت باقی نہیں بچتی، اس صورت میں انہیں خود سے یہ سوال بھی کرنا چاہئے کہ قرآن مجید مسلمانوں کی ہدایت کے لئے نازل ہوا ہے تو اس کی ساری آیات مبارکہ آیاتِ محکمات کیوں نہیں، کیوں آیاتِ متشابہ قرآن میں رکھی گئیں؟ یہ صورت حال تو ہرگز اُن کی منطق کے مطابق نہیں! تو کیا وہ قرآن کے صحیفۂ ہدایت ہونے سے ہی مکّر جائیں گے؟ دراصل یہی ناصبیوں والا اعتراض ہے کہ اگر عقیدۂ امامت اتنا ہی اہم تھا تو اللہ تعالیٰ نے قرآن میں کیوں نہ کسی واضح آیت یا دوٹوک الفاظ میں اس کو بیان کر دیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غدیر خم میں لفظ مولا کے بجائے کیوں نہ صاف صاف کہہ دیا کہ امیر المومنین علیہ السلام میرے بعد میرے نائب اور مسلمانوں کے خلیفہ وحکمران ہوں گے؟ بخدا حیرت ہوتی ہے ایسی نرالی منطق پر! میں پہلے عرض کرچکاہوں کہ ایسے لوگوں کی زبانوں سے حق کیوں کر ظاہر نہیں ہو سکتا، یہ لوگ کبھی معاشرتی مجبوریوں کی آڑ لیتے ہیں تو کبھی تربیت اور انفرادی اعمال کو ڈھال بناتے ہیں، جب اس سے کام نہیں چلتا تو سیّدانیوں کے کنوارے رہ جانے کا غم ان کو کھائے جاتا ہے، موصوف کہتے ہیں قائلین عدم جواز اُس وقت کیوں نہیں بولتے جب

سیّدانیاں ہندوؤں اور سکھوں سے بیاہ کر رہی ہوتی ہیں، اَسْتَغْفِرُواْ اللہَ ربی و أَتُوبُ إِلَیْهِ! ہمارے نزدیک اس جملے کا مقصد صرف اور صرف تمسخر اور تضحیکِ اولادِ رسولؐ ہے، یہ کہہ کر انھوں نے ثابت کیاہے کہ وہ محض کندہ ناتراش ہیں، وہ کہنا چاہتے ہیں کہ قائلینِ عدم جواز معاشرتی دباؤ میں آکر چھوٹی برائی (lesser evil) کو بڑی برائی (greater evil) کے مقابلے میں قبول کرلیں تو اس سے مسئلہ حل ہوجائے گا، سبحان اللہ! قائلین عدم جواز تو سیّد زادی فاطمیّہ کے غیر سیّد مومن سے نکاح پر معترض ہیں' وہ اس کھلی بے دینی پر کیسے راضی ہوسکتے ہیں؟ لیکن موصوف کی بات کا مفہوم تو یہی نکلتا دکھائی دے رہاہے کہ چھوٹی برائی کو تسلیم کرلینا چاہیئے، اگر یہ ہی ان کا دین اور منطق ہے کہ معاشرے میں خرابی عام ہوتے ہوئے دیکھ کر شریعت اور دین کے احکامات کو توڑا یا مروڑا جاسکتاہے تو لوگوں کو خالص شراب پیتے دیکھ کر شراب میں پانی ڈال کر پینے کو بزریعہ اجتہاد و فتویٰ جائز قرار دے لیجئے! اس سے کم از کم لوگ خالص شراب پی کر زیادہ گناہگار ہونے سے تو بچ جائیں گے کیونکہ شراب نوشی مسلمانوں میں عام ہوتی جا رہی ہے۔اجی حضرت! افراد کے اعمال پر دین کا انحصار نہیں ہوتا بلکہ مومن کے اعمال تو دین کے تابع ہوتے ہیں، جو اس سے پہلو تہی کرے گا وہ خود ہی اپنے اعمال کا جواب دہ ہوگا آپ اس بات کے ٹھیکیدار مت بنئے۔

مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا۔[16]

---

[16] سورہ النسا، آیت 80

جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو منہ موڑ لے گا تو ہم نے
آپ کو اس کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ ذمہ داری نہیں دی تو آپ کو کس نے اس ٹھیکیداری کا اہل بنا دیا ہے؟ اصل حقیقت بتایئے کہ کئی سیّد مولویوں اور مجتہدوں نے اپنی بیٹیاں غیر سادات سے بیاہی ہوئی ہیں، کئی ایک کی تو اپنی مائیں سیدانیاں اور باپ غیر سید ہیں، اُن کے پاس کوئی دوسرا چارہ ہی نہیں کہ اس طرزِ مناکحت کو جائز و حلال ثابت نہ کریں، آپ ان کے حاشیہ نشین اور پیٹی بھائی جو ٹھہرے، وکالت نہیں کریں گے تو آپ کی نام نہاد ٹھیکیداری اور دال روٹی کیسے چلے گی۔

قارئین کرام! ہم معذرت خواہ ہیں کہ انداز نگارش قدرے تلخ ہو گیا ہے لیکن حق بات کہنے کے سوا چارا ہی کیا ہے

حق بات پہ کٹتی ہیں تو کٹ جائیں زبانیں
جی لیں گے میرے یار بہ انداز دگر بھی

ہمارا اس بات پر یقین کامل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دین مکمل ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے کسی کو دین کا ٹھیکیدار نہیں بنایا اور کسی نئے نبی، شریعت یا شارح کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہی، یہ دین قیامت تک کے لئے نافذ العمل' ناقابلِ ترمیم و اضافہ' مکمل و جامع' اور حتمی ہے۔ اسلامی احکام کی بنیاد انسانی خواہشات پر نہیں بلکہ فطرتِ انسانیہ

اور وحی الٰہیہ پر ہے، خداوندِ عالم حکیمِ مطلق نے تمام مصلحتوں اور ضرورتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنے قوانین نازل کئے ہیں۔

آخر میں گزارش ہے کہ ممکن ہے کہ لاشعوری طور پر کوئی خطاء و لغزش سرزد ہو گئی ہو اس لئے کتاب میں کسی بھی ممکنہ عیب و نقص کو میری کوتاہی سمجھتے ہوئے نشاندہی فرما کر اربابِ علم و دانش ممنون فرمائیں تاکہ اصلاح ہو سکے۔ نیز یہ اقرار بھی ضروری ہے کہ خدا کی وہ کتاب جس کی روشنی میں میں نے یہ کتاب مرتب کی ہے ہر عیب و سقم سے پاک ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں محمدؐ و آل محمدؐ علیہم السلام کی حقیقی معرفت عطا فرمائے، اور توفیق عطا فرمائے تاکہ مجبوری کا جُوا اُتار پھینکیں، حق و صداقت پر قائم ہو کر اللہ تعالیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی اطاعت و فرمانبرداری کی توفیق پائیں اور اُن کے علوم و سیرت سے فیض یاب ہو کر کم از کم ظلم اور ناانصافی کے خلاف اپنی آواز بلند کر سکیں۔ الٰہی آمین بحق علی علیہ السلام و بحق بتول علیہا السلام

سید آفتاب حسین کاظمی غفرلہٗ

29؍ نومبر 2014۔ بمطابق 7 صفر المظفر 1436 ہجری

ہُولسفریڈ (Hulstfred)۔ سویڈن

aftab.kazmi@gmail.com

مقدمہ

اہل اسلام ایک نازک دور سے گزر رہے ہیں، یقیناً عہدِ حاضر کے متعلق ہی کہا گیا ہے کہ ایک شخص صبح مومن ہو گا مگر رات کو کافر اور جو صبح کافر ہو گا رات کو مسلمان، ایسے نازک دور میں حقیقی عقائدِ دینیہ کی بھرپور حفاظت اور ان پر دل جمعی سے کاربند رہنے کی ضرورت ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ کوئی معمولی یا آسان کام نہیں، ارشاد نبویؐ ہے کہ آخری زمانہ کے بعض افراد کے درجات شہدائے بدر سے بھی بڑھ کر ہوں گے یعنی معیتِ نبویؐ میں جہاد کرتے ہوئے اپنی جان اللہ کی راہ میں قربان کرنے سے بھی زیادہ فضیلت، تو کیا یہ منزل آسانی سے حاصل ہو جانے والی ہے؟ ہرگز نہیں! ... لہٰذا حقیقی دین پر رہتے ہوئے عقائد کی حفاظت اور صالح اعمال کی انجام دہی اس زمانہ میں ایک کٹھن ترین مسئلہ ہے ۔مومنین سے گزارش ہے کہ وہ ''اخباری'' اور ''اصولی'' کی بحث سے بھی خود کو الگ رکھیں کہ ہمارے نزدیک یہ بہت ساری خرابیوں کی جڑ ہے، ''اخباری'' دین میں استعمالِ عقل کو رد کرتے ہیں اور بیشتر ''اصولی'' بے دلیل فتووں کی اندھی تقلید کی طرف راغب کرتے ہیں، اس کتاب میں بعض مقامات پر ان باتوں کا اختصار کے ساتھ تذکرہ کیا گیا ہے لیکن قارئین کرام! ان مسائل پر الگ سے اپنی تحقیق و جستجو کریں تا کہ راہ حق کی نشان دہی ہو سکے، ہم ظن و گمان

اور قیاس پر مبنی فتووں کے مخالف ہیں اور ایسے افراد کے بھی جو دین میں بے عقلی اور مندرجہ بالا موارد کو رواج دے رہے ہیں، ایسے افراد کے نام نہاد وکلاء اور نیم حکیم خطباء بھی قابلِ ستائش افراد نہیں، تاہم حقیقی علماء کرام اور اُن کی دینی بصیرت اور خدمات کے ہم معترف و مُونِس ہیں، دین کے کسی معاملہ پر علماء کرام سے دلیل کا طلب کیا جانا شجر ممنوعہ نہیں بلکہ یہ تفہیم دین کا ایک اہم ذریعہ ہے چنانچہ علماء کرام کو از خود ہی اس ضمن میں پہل کرنا چاہیئے، دلیل حق سچ کو ثابت اور دلوں میں یقین پیدا کرتی ہے،اسی لئے خُداوندِ متعال کہتا ہے

یَا أَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَکُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّکُمْ [1]

اے انسانو! تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے بُرہان آچکا ہے

بُرہان اُس دلیل کو کہتے ہیں جس میں کوئی شک وشبہ نہ ہو، جو حجت ہو یعنی جو دلوں میں یقین و اطمینان پیدا کر دے، جب خود اللہ تعالیٰ انسانوں سے بغیر دلیل کوئی بات نہیں منواتا تو گناہ گار انسانوں کی اوقات ہی کیا ہے، اسی لئے مولائے کائنات حضرت علیؑ نے بھی فرمادیا ہے کہ بے یقینی کی عبادت سے یقین کے ساتھ سو جانا بہتر ہے، اب زمانہ تبدیل ہو چکا ہے اور نوجوان نسل سنی سنائی بات اور بے دلیل فتووں کی نہیں بلکہ عقلی دلائل اور حقائق سے اللہ کے خالص دین کی تفہیم کی مشتاق و طلب گار ہے۔

---

[1] سورہ النساء، آیت 174

اسلام دینِ فطرت ہے اور اسی نسبت سے اسے پروردگارِ عالم نے دینِ حنیف کہہ کر پکارا ہے

فَأَقِمْ وَجْهَکَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا [2]۔
تو آپنا رُخ پروردگار کے خالص دین کی طرف کرلے کیونکہ یہ فطرت ہے کہ جس پر اللہ نے انسان کو پیدا کیا۔

اس لئے انسان کے لئے یہ کوئی نئی شئے یا سمجھ سے بالا نہیں کہ اُسے انواع و اقسام کے کَشٹ بھگتنے پڑیں یا خود کو جاہل تصور کرتے ہوئے دین خالص کو فہم سے بالا تصور کر لیا جائے، ذَلِکَ الدِّينُ الْقَيِّمُ [3]۔ یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے۔ اللہ تعالٰی کے کلامِ برہان سے نصیحت لینا بھی نہایت ہی آسان ہے وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ [4]۔ اور ہم نے قرآن کو نصیحت کے لئے آسان کر دیا ہے تو کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔ لیکن یہ نصیحت صرف اُسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کلامِ مبارک میں تدبّر کیا جائے جس کے لئے انسان کو عقل سے نوازا گیا ہے

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ [5]۔
یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاحبانِ عقل نصیحت حاصل کریں۔

---

[2] سورۃ الروم، آیت 30
[3] سورۃ الروم، آیت 30
[4] سورۃ القمر آیت 40
[5] سورہ ص، آیت 29

قارئین کرام! مقامِ صد افسوس ہے کہ تمام انسان تو ایک طرف خود مسلمان اور مدعیانِ مومنیت بھی قرآن کو متشابہات کا مجموعہ اور صرف متقین کے لئے ہی ہدایت جانتے ہوئے عملاً نا قابلِ فہم و عمل سمجھتے ہیں، یہاں نہ تو لفظِ متشابہ کے حقیقی معنی سمجھنے کی جستجو کی جاتی ہے اور نہ ہی متّقی کے، سہل پسندی کا یہ عالم ہے کہ ایک اکثریت کو دین کے ہر مسئلہ کے لئے پکی پکائی کھیر یعنی فتویٰ چاہیئے۔

کہنے کو تمام مسلمان دعویٰ مومنیت کے مدعی اور عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں غرق اور محبان اہل بیت و آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں لیکن حقیقت قطعاً اس کے برعکس ہے بقول علامہ اقبال.

ملا کی شریعت میں فقط مستی گفتار
صوفی کی طریقت میں فقط مستی احوال
وہ مرد مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستی کردار

مودّتِ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب دعویدار استبدادِ زمانہ کے ہاتھوں گروہ در گروہ منقسم ہو چکے ہیں، چاروں طرف غالی، مُقصّر، مفوّضہ، شہبازی قلندروں، ملنگوں اور باواگیریت کا راج ہے، منبرِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گانے بجانے والوں، نیم حکیم خطباء، پیشہ ور ذاکرین، اور ہوسِ زر و دُنیا میں مبتلا مُلاؤں اور واعظین کا قبضہ ہے، ہر طرف شور شیں برپا ہیں، عزاداری' ٹھیکیداری میں، حسینیت' باواگیریت میں، اور علمیت' گھمنڈ و تکبر اور جبہ و قبہ میں مقیّد ہو کر رہ گئی ہے، دین کے ہر جزو کو ہر ممکن طریقہ سے

حصول دُنیا اور نام و نمود کے لئے بے دریغ روبہ کار لایا جارہا ہے۔ عقائد کا یہ حال ہے کہ بعض کو راہ چلتا ہوا مخبوط الحواس' ولی اللہ دکھائی دیتا ہے، کسی کو باواسر کار میں مولا نظر آتا ہے، اور کسی نے عربی صرف و نحو اور علم البیان و کلام کی تھوڑی سی شُد بُد سے خود کو عترتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام القابات کا اہل اور مستحق سمجھ لیا ہے لیکن اس زمانہ اور حالات کا موازنہ ہرگز مولائے کائنات امیر المومنین علیہ السلام کے اس فرمان سے نہیں کرتے کہ کہیں پول نہ کھل جائے

يَأْتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ لاَ يَبْقى فِيهِمْ مِنَ الْقُرآنِ إِلاَّ رَسْمُهُ، وَمِنَ الْإِسْلاَمِ إِلاَّ اسْمُهُ، مَسَاجِدُهُمْ يَوْمَئِذٍ عَامِرَةٌ مِنَ الْبُنَى، خَرَابٌ مِنَ الْهُدَى، سُكَّانُهَا وَعُمَّارُهَا شَرُّ أَهْلِ الْأَرْضِ، مِنْهُمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَةُ، وَإِلَيْهِمْ تَأْوِي الْخَطِيئَةُ، يَرُدُّونَ مَنْ شَذَّ عَنْهَا فِيهَا، وَيَسُوقُونَ مَن تأَخَّرَ عَنْهَا إِلَيْهَا، يَقُولُ اللهُ: فَبِي حَلَفْتُ لَأَبْعَثَنَّ عَلَى أُولَئِكَ فِتْنَةً تُتْرُكَ الْحَلِيمَ فِيهَا حَيْرَانَ، وَقَدْ فَعَلَ، وَنَحْنُ نَسْتَقِيلُ اللهَ عَثْرَةَ الْغَفْلَةِ.

لوگوں پر ایک ایسا دور بھی آنے والا ہے جب قرآن میں صرف نقوش باقی رہ جائیں گے اور اسلام میں صرف نام باقی رہ جائے گا، مسجدیں تعمیرات کے اعتبار سے آباد ہوں گی اور ہدایت کے اعتبار سے برباد ہوں گی، اس کے رہنے والے اور آباد کرنے والے سب بدترین اہل زمانہ ہوں گے، انہیں سے فتنہ باہر آئے گا اور انہیں کی طرف غلطیوں کو پناہ ملے گی، جو اس سے بچ کر جانا چاہے گا اسے اس کی طرف پلٹا دیں گے اور جو دور رہنا چاہے گا اسے ہنکار کر لے آئیں گے۔ پروردگار کا ارشاد ہے کہ میری ذات کی قسم میں ان لوگوں پر ایک ایسے فتنہ کو مسلط کر دوں گا جو صاحب عقل کو بھی حیرت زدہ بنادے

گا اور یہ یقیناً ہو کر رہے گا۔ ہم اس کی بارگاہ میں غفلتوں کی لغزشوں سے پناہ چاہتے ہیں۔[6]

یقیناً فتنہ مسلط ہو چکا ہے، دانشور و عاقلینِ قوم حیران و انگشت بدنداں ہیں اور یہ کہنے پر مجبور ہیں 'ہائے رے مسلمان تیری کہانی! یہ دلدوز جملہ میں نے بچپن میں کسی کتاب میں پڑھا تھا یہ اب یقیناً قراعین حالات ہے، یہ ایک عجیب سی وحشت و دہشت کی کیفیت طاری کرتا ہے جس کا لفظوں میں بیان ممکن نہیں کہ الفاظ کا جال کیفیات کا شکار نہیں کر سکتا۔ مقام حیرت ہے کہ یہ دینِ حنیف اپنے ہی ماننے والوں کے ہاتھوں اُس مقام تک آن پہنچا ہے جہاں ہر شئے 'کھوکھلے نعروں' فریب و چرب زبانی میں محصور ہے، مسلمان قرآنِ مجید میں تدبر کرنے کے بجائے رٹنے میں مصروف ہیں حالانکہ قرآن پکار رہا ہے

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ

اور ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے جس میں ہر شے کی وضاحت موجود ہے اور یہ مسلمانوں کے لئے ہدایت، رحمت اور بشارت ہے۔[7]

مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَى وَلَـٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔

---

[6] نہج البلاغہ، حکم نمبر 369، صفحہ 617، ترجمہ ذیشان حیدر جوادی، ناشر: محفوظ بک ایجنسی
[7] سورہ نمل، آیت 89

یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے گھڑ لیا جائے، یہ قرآن پہلے کی تمام کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں ہر شئے کی تفصیل ہے اور یہ قومِ مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔[8]

غور کیجئے! قرآن کہہ رہا ہے تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ ۔ جس میں ہرشئ کی وضاحت موجود ہے۔ دوسری آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کہہ رہا ہے تَفۡصِيلَ كُلِّ شَيۡءٍ۔ اس میں ہر شئ کی تفصیل ہے۔ یعنی قرآن مجید میں صرف خُشک وتر کا بیان ہی نہیں بلکہ ہر شئ کی وضاحت اور تفصیل موجود ہے، اختلافی امور میں قرآن سے فیصلہ لیجئے إِنَّهُ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ۔ وَمَا هُوَ بِالۡهَزۡلِ[9]۔ قرآن ایک قاطع بیان ہے جو حق اور باطل کو آپس میں جدا کرتا ہے اور اس میں بیہودہ گوئی ہرگز نہیں ہے۔ اس پر خداوند عالم کا بہت ہی سخت تاکیدی حکم بھی ہے مَن لَّمۡ يَحۡكُم بِمَا أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَـٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَـٰفِرُونَ[10]۔ اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس سے فیصلہ نہ کرنے والا کافر ہے۔ لیکن اس کے باوجود اُمت بگڑ چکی ہے اور ہر سمت فساد کا راج ہے، اس کی وجہ صرف یہی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بیان فرمائی ہے

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صنفان من اُمتی اذا صَلُحَا صَلُحَتْ اُمتی وَ اِذَا فَسَدَ۔ فَسَدَتْ اُمتی قیل یا رسولؐ اللہ وَمَنْ هما ؟ قال الفقهاء و الاُمَرَاء۔

---

[8] سورہ یوسف، آیت 111
[9] سورہ طارق، آیت 13-14
[10] سورہ المائدہ 44

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے دو گروہ درست رہے تو پوری اُمت ٹھیک رہے گی اور اگر وہ دونوں گروہ بر سرِ فساد آ گئے تو پوری اُمت فساد میں مبتلا ہو جائے گی پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ دونوں گروہ کون کون ہیں۔ فرمایا کہ فقہاء اور اُمراء۔ [11]

آج عوام الناس کو باور کرایا جا رہا ہے کہ دین کو سمجھنا ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اسے سمجھنے کے لئے پہلے درجنوں علوم سیکھیں، عربی صرف و نحو جانیئے، علم الحدیث و فن اسماء الرجال میں دسترس حاصل کریں اور عمر کا ایک بڑا حصّہ اصولِ فقہ کی بھول بھلیوں میں گذار دیجئے، عبادات پر زور رکھیں چاہے وہ سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں، اس طرح اتقیٰ کے خود ساختہ درجہ پر پہنچ جائیں تو پھر دین و قرآن سے ہدایت لیجیے کیونکہ فرمانِ خدا ہے ذَلِکَ الْکِتَابُ لاَ رَیْبَ فِیهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِینَ۔ یہ ایسی کتاب ہے کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں' متقیوں کے لئے ہدایت ہے۔ اگر ایسا ممکن نہیں تو مولوی کے پیچھے آنکھیں بند کر کے بغیر دلیل مانگے چلتے رہیں بالکل ایک سدھائے ہوئے جانور کی طرح۔

کیا کسی کو شک ہے کہ قرآنِ مجید خُدائی قانون نہیں ہے جسے انسانوں کی دنیاوی اور اُخروی سعادت کے لئے نازل کیا گیا ہے، وہ بار بار انسانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے

أَفَلاَ یَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ [12]۔

آیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے

---

[11] بحار الانوار جلد 2، صفحہ 49، باب 11، روایت 10

[12] سورہ انساء، آیت 82

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا [13]۔
توکیا یہ لوگ قرآن میں ذرا بھی غور نہیں کرتے یاان کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں

كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ [14]۔
یہ ایک مبارک کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف نازل کیا ہے تاکہ یہ لوگ اس کی آیتوں میں غور و فکر کریں اور صاحبانِ عقل نصیحت حاصل کریں۔

جہاں تک تعلق ہے هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ کا تو یہ ایک لطیف نکتہ ہے جس پر تدبر کیا جانا چاہیے نہ کہ اصلاحِ احوال کے بجائے خود کو غیر متقی تصور کرتے ہوئے قرآن سے ہی منہ موڑ لیا جائے۔ متقی وہ افراد ہیں جو زندگی فطری تقاضوں کے مطابق احتیاط اور پرہیز گاری سے گزارتے ہیں اور ان میں انسانیت اور اصول پسندی ہوتی ہے، جس شخص کا خمیر ہی فطرت سے متعارض، بے اعتدالی، اور بے اصولی پر مبنی ہو وہ فقط دیکھنے میں انسان نظر آتا ہے باطن میں حیوان سے بدتر اور خوفِ خُدا سے عاری ہوتا ہے۔

متقی کا فاعل اتقیٰ ہے جس کے معنی پرہیز گاری، احتیاط، اور ڈر کے ہیں جب یہ اتقیٰ اللہ کے طور پر استعمال ہوتا ہے تو یہ خوف خدا کے معنی دیتا ہے اور اس کے حامل کو متقی پکارا جاتا ہے یعنی وہ افراد جو خوف خدا رکھتے ہیں اور زندگی فطری تقاضوں پر بسر کرتے ہیں، چنانچہ اس آیہ مبارکہ کے ذیل میں مترجمین نے مُتَّقِينَ کا ترجمہ

---

[13] سورہ محمد، آیت 24
[14] سورہ ص، آیت 29

پرہیزگار کیا ہے، یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جو شخص خوفِ خدا سے عاری ہو وہ اُس کے کلام سے کیا سبق حاصل کر سکتا ہے، اس بات کی تصریح اللہ تعالیٰ قرآن میں ایک دوسرے مقام پر ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں

إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمَنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَأَجْرٍ كَرِيمٍ۔[15]

آپ (اے رسولؐ) صرف اس شخص کو ڈرا سکتے ہیں جو نصیحت مانے اور بے دیکھے خُدائے رحمٰن سے ڈرتا ہو۔ ایسے شخص کو بخشش اور بہترین اجر و ثواب کی بشارت دے دیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ۔[16]

تحقیق وہ لوگ جو کافر ہیں ان پر برابر ہے خواہ ان کو ڈراؤ یا نہ ڈراؤ ایمان نہ لائیں گے۔

چنانچہ بہ نصِ قرآنی یہ ثابت ہے کہ جو شخص خدائے رحمٰن سے نہ ڈرے اور لالچِ دُنیا میں مبتلا ہو وہ فطری ہدایت سے عاری ہوتا ہے اور اس کے لئے اکتسابی ہدایت بے معنی ہوتی ہے، چاہے ایسا فرد کسی دینی مدرسہ کا فارغ التحصیل ہو یا عامتہ الناس میں سے ہو، چنانچہ خُدائے رحمٰن (یعنی عدل کے ساتھ رحم کرنے والے) کا خوف پرہیز گاری اور فطرت کی طرف لاتا ہے اور جس کا دل اس وصف سے خالی ہو وہاں بیماری کا ٹھکانا ہوتا ہے چنانچہ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ ایسے لوگ قرآن سے ہدایت نہیں پا سکتے بلکہ مزید گمراہی اور گندگی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور کفر پر ہی مرتے ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

---

[15] سورہ یسین، آیت 11
[16] سورہ البقرہ، آیت 6

وَإِذَا مَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُم مَّن يَقُولُ أَيُّكُمْ زَادَتْهُ هَـٰذِهِ إِيمَانًا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ. وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ۔ [17]

اور جب سورہ نازل ہوتا ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگتا ہے کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا ہے اور پھر پلٹ جاتے ہیں تو خدا نے بھی ان کے قلوب کو پلٹ دیا ہے کہ یہ سمجھنے والی قوم نہیں ہے۔ اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے ان کی گندگی میں گندگی ہی سے اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ کفر ہی کی حالت میں مر جاتے ہیں

چنانچہ قرآنِ سے ہدایت لینے کے لئے انسان کے اندر فطری قندیل کا روشن ہونا لازم ہے۔ شہید مرتضیٰ مطہری فرماتے ہیں

جب تک کسی شخص میں فطری انسانیت موجود نہ ہو انبیاء کی تعلیمات کا اس کے لئے کوئی فائدہ نہیں' یعنی انبیاء کی تعلیمات مسخ شدہ افراد اور اپنی انسانیت گنوائے بیٹھے لوگوں کے لئے مفید نہیں۔ [18]

انسان کے اندر موجود اسی بنیادی اور فطری خصوصیت پر اللہ تعالیٰ کے دین کی تعمیر ہوتی ہے اور اسے دین حنیف کہا گیا ہے۔ دین کے ہر جزو کی فہم کے لئے دل کی آنکھوں کا بینا ہونا ضروری ہے بغیر اس کے اندھیری رات میں اندھوں کی طرح ٹٹولتے رہنا پڑے گا، ظن و تخمین رگ و پے میں سرایت کر جائیں گے اور جوہرِ یقین گم اور

---

[17] سورہ توبہ، آیت 124۔125

[18] فطرت، صفحہ 247، شہید مرتضیٰ مطہری

بصیرت کی روشنی سلب ہو جائے گی، نہ عقلِ سلیم کام آئے گی اور نہ ہی فہم مستقیم کا ساتھ حاصل رہے گا، بچے گی تو صرف اندھی تقلید۔ اور روزِ حشر حضور اکرم ﷺ کو یہ کہنا پڑے گا

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا۔ [19]

اور رسول ﷺ آواز دیں گے پروردگار اس میری قوم نے اس قرآن کو بھی نظر انداز کر دیا

قارئین کرام! ہم نے حالاتِ حاضرہ اور مفاد پرستی، اور قرآنِ مجید کو مَهْجُورًا کرنے کی کوششوں سے حجاب ہٹانے کی کوشش کی ہے، خُدارا دین کو بے دلیل' یا ظن و گمان پر جاری کئے گئے فتوں کا محتاج نہ بنائیں اور نہ ہی اندھی تقلید اختیار کریں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

فَبَشِّرْ عِبَادِ. الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُوْلَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُوْلَئِكَ هُمْ أُوْلُوا الأَلْبَابِ۔ [20]

(اے رسول ﷺ) میرے لُطف و کرم کی اُن بندوں کو بشارت دے دو جو بات سنُتے ہیں اور اس میں سے بہتر کا انتخاب کر کے اُس کی پیروی کرتے ہیں ایسے لوگ وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی اور ایسے لوگ ہی عقلمند ہوتے ہیں

---

[19] سورہ فرقان، آیت 30

[20] سورہ زمر، آیت 17۔18

یہ آیت مجیدہ واضح کرتی ہے کہ بہتر کا انتخاب کامیابی کے لئے ضروری ہے اور یہ انتخاب بغیر دلیل نہیں ہو سکتا اسی لیے مذہبِ حقہ میں بغیر دلیل کسی کی متابعت نہیں کی جاسکتی کیونکہ عقل و خرد اور علم و بصیرت کا تقاضہ ہے کہ آنکھ بند کر کے کوئی راستہ پکڑنا درست نہیں اسی لئے قرآن میں ایک مرتبہ پھر آواز دی گئی کہ

قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ۔[21]
اے رسول ﷺ (مخالفین سے) کہہ دو کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو

یہ دلیل ہی ہے جس پر سچائی کا انحصار اور اختیار و قدرتِ انسان کا دارومدار ہے، اگر اس کے بجائے اندھی تقلید اختیار کر لی جائے تو علم و عقل اور انسان کی تحقیر کے سوا کیا بچتا ہے، اسی لئے ہمارے دین میں کسی بھی خطاکار انسان کے حکم کو دین سمجھ کر ماننا باطل ہے، اسی اصولی موقف پر ہمارا اہل تسنّن سے اختلاف ہے، ہم خطاکار کو کسی بھی حیثیت میں دین میں اپنی رائے، ظن و گمان اور تخمینوں سے احکام صادر کرنے کا مقام نہیں دیتے، اگر ہم اس اصول پر وصالِ رسول اللہ ﷺ کے فوراً بعد ڈٹ گئے تھے تو آج کسی دوسری شکل میں اس سے کیوں اغراض برتیں؟ اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر واضح کر دیا ہے کہ

إِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔[22]
ظن و گمان سے حق کا شائبہ تک بھی حاصل نہیں ہوتا

[21] سورہ بقرہ، آیت 111
[22] سورہ یونس، آیت 36

لیکن اس کے باوجود دین میں ظن، گمان، قیاس، اور ذاتی تخمینوں کو رواج دینے کی کوششیں کی جاتی رہی ہیں جس کا منطقی نتیجہ فشارِ دین وملت کے سوا کیا ملا ہے۔ ہمارے ہاں ان کوششوں کا آغاز چوتھی صدی ہجری میں ہوا، اس ضمن میں محمد باقر الموسوی الخوانساری کی کتاب روضات الجنات فی احوال العلماءِ والسّادات مطبوعہ بیروت سے ایک اقتباس حاضرِ خدمت ہے

أبو علی محمد بن احمد بن الجنید البغدادی الملقب بالکاتب المشتهر بالاسکافی بکسر الهمزة کمافی توضیح الاشتباه نسبته الی اسکاف الذی نسب الیه ایضاً الشیخ ابو جعفر الاسکاف. . . کان هذا الشیخ اوّل من ابدع اساس الاجتهاد فی احکام الشریعة و احسن الظن باصول فقه المخالفین من علماء الشیعة، و تبع فی ذلک ظاهراً الحسن بن ابی عقیل العمانی المتقدم ذکره السنی۔ والمعاصر لشیخنا الکلینی، اذ قلما تقع المخالفة فی الفتاوی والاحکام بین ذینک الفقیهین، و من هذه الجهة یجمع بینهما فی الذکر فی کلمات فقهائنا بلفظ القدیمیں۔[23]

اَبو علی محمد بن احمد بن الجنید بغداد کے رہنے والے تھے، کاتب کے لقب سے پہچانے جاتے تھے انہیں اسکاف کی نسبت سے اسکافی مشہور کیا گیا ہے، وہ علماء شیعہ میں پہلے بزرگ (شیخ) ہیں جنہوں نے احکام شریعہ میں اجتہاد کی بنیاد فقہ مخالفین (اہل سنت) کے اصول کے مطابق ظن و قیاس پر رکھی، ظن و قیاس کو مفید ثابت کیا وہ اس مسلک میں حسن ابن ابی عقیل کے پیرو تھے اور جناب محمد یعقوب کلینی کے ہم عصر تھے، ان دونوں کو فقہاء حضرات قدیمین یعنی دو قدیم فقیہین کہتے ہیں، ابن جنید نے

[23] روضات الجنات فی احوال العلماءِ والسّادات، جلد6، صفحہ 136

علامہ کلینی کی مخالفت میں کافی احکام بیان کئے ہیں، بعض مجتہدین نے ان دونوں کے مسائل میں سمجھوتہ کرانے کی کوشش کی ہے۔

شہید مرتضیٰ مطہری اور دیگر مجتہدین نے بھی بظاہر ابن جنید کے مسلک کی مخالفت کی ہے لیکن انہیں شیعت سے خارج نہ کر کے ایک نرم گوشہ ضرور رکھا ہے اور انہی کی اصول فقہ پر مرتب کردہ کتب پڑھی اور پڑھائی جارہی ہیں، بظاہر یہ ضرور کہا گیا کہ احکاماتِ دینیہ میں قیاس اور اجتہاد بالرائے شیعہ نقطہ نظر سے ناجائز ہے لیکن اس کے باوجود اندرونِ خانہ کیا حالات ہیں؟ شہید مرتضیٰ مطہری نشان دہی کرتے ہیں

آج بھی ہماری فقہ میں ایسے موارد موجود ہیں جہاں فقہا نے صرف کسی موضوع کی ضرورت و اہمیت کے ادراک کے پیش نظر پورے جزم و یقین کے ساتھ اس کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے یعنی باوجودیکہ اس موضوع کے متعلق کوئی صریح و واضح حدیث و آیت ہے نہ معتبر اجماع، لیکن فقہا نے استنباط کے چوتھے رکن یعنی عقلی دلیل سے استفادہ کرتے ہوئے فتویٰ دیا ہے، فقہا ایسے مقامات پر موضوع کی اہمیت اور روح سے واقفیت کے پیش نظر کہ اسلام، اہم موضوعات کے احکام بیان کئے بغیر انہیں یوں ہی نہیں چھوڑ دیتا، یقین کرتے ہیں کہ اس مقام پر الٰہی حکم ایسا ہونا چاہئے۔[24]

دیکھا آپ نے! یعنی پھر وہی ڈھاک کے تین پات، ابن جنید کو بظاہر تنقید کا نشانہ بھی بنایا اور اُسی طرح ظن، گمان، قیاس اور بالرائے فتوے بھی جاری کئے، کیا اس بیان سے یہ واضح نہیں کہ فقہاء یہ گمان و قیاس کر لیتے ہیں کہ "یہاں الٰہی حکم ایسا ہونا چاہئے"

[24] اجتہاد و تقلید، صفحہ 27، شہید مرتضیٰ مطہری

چنانچہ ذاتی رائے اور تخمینہ کو بغیر کسی واضح حدیث و آیت (دلیل) کے مقلدین پر واجب قرار دے دیا جاتا ہے، کیا ظن و گمان اور قیاس کو محض عقلی دلیل کہہ دینے سے حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے؟ جب اللہ تعالیٰ یہ کہہ رہا ہے کہ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ۔[25] اور اس (قرآن) میں ہر شئے کی تفصیل ہے اور یہ قومِ مومنین کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔ تو جو تفصیل تک رسائی حاصل نہ کر سکے بجائے اپنے علم و عقل پر ماتم کرنے کے' فقط ظن و گمان اور قیاس پر فتوے جاری کر کے اُسے دین قرار دیتا پھرے؟ کیا یہ عمل آیتِ قرآنیہ إِنَّ الظَّنَّ لاَ يُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا۔[26] ظن و گمان سے حق کا شائبہ تک بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کا ابطال و کفر نہیں؟ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّهِ يُكَفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلاَ تَقْعُدُواْ مَعَهُمْ حَتَّى يَخُوضُواْ فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ إِنَّ اللّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا۔[27]

اور اس نے کتاب میں یہ بات نازل کر دی ہے کہ جب آیاتِ الٰہی کے بارے میں یہ سنو کہ ان کا انکار اور استہزاء ہو رہا ہے تو خبر دار ان کے ساتھ ہر گز نہ بیٹھنا جب تک وہ دوسری باتوں میں مصروف نہ ہو جائیں ورنہ تم انہیں کے مثل ہو جاؤ گئے خدا کفار اور منافقین سب کو جہنم میں ایک ساتھ اکٹھا کرنے والا ہے۔

جہد بسیار بکردم کہ نگویم غم دل

---

[25] سورہ یوسف، آیت 111
[26] سورہ یونس، آیت 36
[27] سورہ النساء، آیت 140

عاقبت جان بدہان آمد و طاقت برسید

میں نے کوشش تو بہت کی کہ اپنے دل کا غم کسی سے نہ کہوں

آخر جان لبوں پر آ پہنچی تو کچھ کہنا پڑا

قارئین کرام! اسی مذہبی تناظر میں حرمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور سیّد زادی فاطمیہ کے غیر فاطمی مرد سے مناکحت کے مسئلہ کا جائزہ لیجئے! یہ ایک ہمہ جہت معاملہ جو دین کے نہایت ہی اہم امور کی وضاحت و توضیح کا ضامن بھی ہے، اسے صرف معدودے چند افراد کا مسئلہ، نسل پرستی، نسبی تعصب، تکبر اور جہالت پر معمول نہیں کیا جا سکتا، اس مسئلہ کے گوشے جنہیں آئندہ صفحات میں بیان کیا گیا ہے آپ کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیں گے، چنانچہ فقط بے دلیل فتوں، مجلسی خطیبوں اور پیشہ ور ملاوں کی چرب زبانی کے سحر میں مبتلا نہ ہوں، "اصولی" اور "اخباری" کی بحث میں بھی اپنا وقت برباد نہ کریں مگر حکم خداوندِ عالم کے مطابق تدبر و فکر سے اپنے دین کو سمجھیں اور مفتیانِ دین سے دلیل کا تقاضہ کریں! حرمت بناتِ رسول کا معاملہ کوئی معمولی مسئلہ نہیں کہ ناعاقبت اندیشی کا مظاہرہ کیا جائے اور دین کی ہر شئے کو داؤ پر لگا دیا جائے۔ یہ کوئی نیا مسئلہ بھی نہیں کیونکہ ہر دور میں قائلینِ جواز اور عدم قائلین جواز موجود رہے ہیں، آپ یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خاندان کے خلاف معاندانہ تحریک کی تاریخ بہت قدیم ہے، اس کی غایت یہ ہے کہ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رفتہ رفتہ اسی سطح پر لایا جائے جس پر عوام الناس ہیں، ایسے فتنہ سامانوں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو معاف نہیں کیا تو ان کی اولاد کو کیوں مخلصی دیں گے، اسلام

کے تمام فرقے اس تحریک میں شامل ہیں اور یہ کوششیں بہت حد تک موثر بھی رہی ہیں، یہ بھی درست ہے کہ اس زمانۂ جہالتِ ثانیہ میں اس تحریک کے آگے بند باندھنا تقریباً ناممکن ہو چکا ہے اب تو صرف حقائق پسند انسان امرِ مُنتَظَر کے مُنتظِر ہیں اور کوئی چارہ کار نہیں بجز اس کے کہ اعلائے کلمۃ الحق کیا جاتا رہے۔

اس موضوع پر ماضی میں بہت کچھ لکھا گیا، اہل سنت اور اہل تشیع علماء کرام نے عدم جواز پر اپنے اپنے انداز سے دلائل و نظائر پیش کئے ہیں، میرے زیر مطالعہ ایسی بہت سی کتب رہی ہیں تاہم ان ساری کتب میں مسئلہ کے بعض اہم گوشوں پر تشنگی کا احساس ہمیشہ باقی رہا، میری اس کتاب کی بنیاد ان نکات پر ہے کہ (۱) سیّد زادی فاطمیہ کا کسی غیر فاطمی یا غیر سیّد سے نکاح ظلم اور بے دینی ہے کیونکہ شریعت محمدیؐ میں ظلم کسی بھی شکل و مقدار میں قابل قبول نہیں، ظالم کو قرآن جہنمی قرار دیتا ہے، (۲) نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کسی دوسری فضیلت کو برتر نہیں ٹھہرایا جا سکتا، اور نہ ہی بعض عمومی احکاماتِ دین کو اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لاگو کیا جا سکتا ہے، (۳) اولادِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا منصب جُدا و ممتاز ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب باعث فضیلت و نجات اور دائمی ہے حتیٰ کہ روزِ قیامت جب سب حسب و نسب قطع ہو جائیں گے، یہ پھر بھی برقرار رکھا جائے گا۔ (۴) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کا عقب و خلف ہی وہ نسل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہے، اس فضیلت کی وجہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت ہے، اور اسے خود خداوند عالم نے نسلِ متواترہ قرار

دیاہے یعنی بالفاظِ قرآن ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ[28]۔ یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے۔ یہ ایک خصوصی اور قابلِ فکر و تدبر نکتہ ہے، (۵) اس کتاب کا نکتہ جسے مقدمہ کا اہم ترین جزو قرار دیا جا سکتا ہے یہ ہے کہ سیّد زادی فاطمیہ کو فقط ہاشمی قرار دے کر فضائل نسبتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محروم کیا جانا ایک بنیادی سہو یا گہری سازش ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ ہاشمی ہونا ایک فضیلت ہے لیکن اولادِ رسول فقط ہاشمی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ہاشم ہی کیا تمام کائنات سے افضل ہیں اور اُن کی اولاد آپؐ کی دائمی نسبت کے سبب سے ساری اُمت بشمول بنو ہاشم سے افضل تر ہے، یہ ہی نسبت و تکریم بنیادی علت ہے حرمت نکاح کی۔ اللہ تعالیٰ کی جاری کردہ اصطفائیت جناب ہاشم پر نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے اوجِ کمال کو پہنچتی ہے، (٦) اس ضمن میں کفوٴ کی من گھڑت تعبیریں اور تعریفیں خطرہ دین و عاقبت ہیں، اسی طرح آیہ مبارکہ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ[29]۔ بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔ کی قیاسی تفاسیر و تشریحات گمراہی کا ایک بڑا ذریعہ ہیں، مجھ جیسا طفلِ مکتب بھی، حیران ہے کہ قائلین جواز ان تشریحات پر اقصا کر کے کیسی مذموم جسارت کے مرتکب ہوتے ہیں، اس کے برعکس اہل سنت عالم دین' محمد ذوالقرنین قادری جو خود غیر سیّد ہیں' ایک کتاب کے پیش لفظ میں کیا خوب کہتے ہیں

---

[28] سورہ العمران، آیت 34

[29] سورہ الحجرات، آیت 13

وہ احباب جن کو نسبت رسول ﷺ کی بہاروں کا اندازہ نہیں صرف عمل اور تقویٰ ہی ان کے نذدیک باعث کمال ہے ' نسب کی اہمیت نہیں' وہ لوگ اس بات کو خوب سمجھیں کہ عمل اور تقویٰ واقعی باعثِ کمال ہے مگر وہ ہم اور آپ کے لئے باعثِ کمال ہے، اولادِ رسول ﷺ تو نسبتِ رسول ﷺ اور اپنی رگوں میں خونِ رسول ﷺ ہونے کی وجہ سے پہلے ہی کمال پر ہیں، اب عمل اور تقویٰ ان کے کمال کو چار چاند لگاتا ہے نا کہ ان کو کمال پر فائز کرتا ہے کہ وہ پہلے ہی اس پر فائز ہیں۔[30]

ہماری دعا ہے کہ خواہشاتِ نفس کی پیروی میں بے دلیل' ظنی اور قیاسی فیصلوں کو احکام الٰہی کہنے والے اپنے انجام پر نظر کرتے ہوئے یہ فکر کریں کہ روزِ حشر رسول اللہ ﷺ کے سامنے کیا منہ لے کر جائیں گے، اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ خواہشاتِ نفس کے بتوں کو توڑ ڈالیں کیونکہ یہ ہی باطل کے خُدا ہیں جن کی ایک اکثریت پرستش کر رہی ہے

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَٰهَهُ هَوَاهُ[31]۔

آیا تم نے ایسے شخص کو دیکھا ہے کہ (جس نے) اپنی خواہشات کو اپنا خدا بنایا ہوا ہے۔

---

[30] احکام السّادات، صفحہ 7، مصنف محمد افضل قادری

[31] سورہ جاثیہ، آیت 23

باب اول

سہوِ اساسی

سیّد زادی فاطمیہ کی مناکحت کا مسئلہ نہایت گنجلک ہے اور اُتنا ہی آسان بھی' شرط یہ ہے کہ پُر خلوص نیت کے ساتھ حقیقی ماخذات یعنی قرآنِ مجید، احادیث و سیرتِ معصومین سے رجوع کیا جائے، چونکہ یہ مسئلہ مراجعِ کرام کے اختلافی فتووں سے پیچیدہ ہوا ہے اس لئے ذہن میں پہلا سوال یہ آتا ہے کہ قائلین علماء اعلام نے کس بنیاد پر سیّد زادی فاطمیہ کے غیر سیّد سے نکاح کے جواز کی عمارت کھڑی کی ہے؟ احترام علماء سے پہلو تہی نہیں کی جا سکتی لیکن علماء معصوم عن الخطاء نہیں ہیں اس لئے اُن سے سہو اور غلطی عین ممکن ہے اور وہ احتمالِ اشتباہ' ظن یا گمان سے بھی مبرّا نہیں، ان پہلوں کو مدّ ِ نظر رکھا جائے تو اُن کے فتاویٰ قابلِ نقد و تنقید ہیں اور آنکھیں بند کر کے اُنہیں قبول نہیں کیا جا سکتا۔

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری نے تقلید کی دو اقسام یعنی جائز اور ناجائز بیان کی ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک طویل قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> جائز و ممدوح تقلید' خود سپردگی 'آنکھیں بند کر لینا اور خود کو کسی کے حوالے کر دینا نہیں ہے بلکہ آنکھ کھولے رہنا اور ہوشیار رہنا

ہے ورنہ وہ جرم میں شریک مانیں جائیں گے۔۔۔۔ناجائز تقلید وہی ہے جو سر سپردگی کی شکل میں ہو اور یہ صورت اختیار کرلے کہ [مقلد یہ خیال کرے کہ] جاہل کو عالم سے بحث کرنے کا حق نہیں، [یا یہ فرض کرلے کہ] یہ باتیں ہماری سمجھ سے مافوق ہیں، [یا یہ کہ] شاید یہ سب کچھ شرعی ذمہ داریوں کا تقاضا ہو[1]۔

کیا آج تقلید کے نام پر یہ سب کچھ عملاً نہیں کیا جا رہا؟ میں نے خود لوگوں کو یہ دلیل دیتے ہوئے سنا ہے کہ ہم نے تو فقط فتویٰ پر عمل کرنا ہے درست ہے یا غلط اب مجتہد ہی روزِ قیامت جواب دہ ہو گا ہم تو تقلید کر کے فارغ الذمہ ہو چکے۔ مرتضیٰ مطہری اُن شرائط کا ذکر کرتے ہوئے کہ جن کی پابندی ایک مجتہد پر مرجع تقلید رہنے کے لیے لازمی ہیں امام علیہ السلام کا ایک قول نقل کرتے ہیں وھم بعض فقہاء الشیعۃ لا جمیعھم ۔یہ اعلیٰ و ارفع اوصاف و فضائل صرف بعض شیعہ فقہاء میں پائے جا سکتے ہیں' تمام شیعہ فقہاء میں نہیں۔ شہید مرتضیٰ مطہری جیسی بلند پایہ علمی شخصیت یہ بھی اقرار کرتی ہے کہ

آج بھی ہماری فقہ میں ایسے موارد موجود ہیں جہاں فقہاء نے صرف کسی موضوع کی ضرورت و اہمیت کے ادراک کے پیش نظر پورے جزم و یقین کے ساتھ اس کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے یعنی باوجودیکہ اس موضوع کے متعلق کوئی صریح و واضح حدیث و آیت ہے نہ معتبر اجماع۔

---

[1] اجتہاد اور تقلید: مصنف: آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری

علماء امامیہ نے ایک اصولی قاعدہ اپنا رکھا ہے کہ کل شيء لک حلال حتی تعلم بانہ حرام۔تمہارے لئے ہر چیز حلال ہے جب تک تم کو اس کے حرام ہونے کا علم نہ ہوجائے۔ شریعی حکم کے استنباط کے لئے اس اصول سے ہمیں اختلاف نہیں، قابل غور بات یہ ہے کہ جس مسئلہ پر حکمِ شرعی کی تلاش کے لئے یہ ساری ریاضت کی جارہی ہے کیا اُسے درست انداز و پہلو سے مدّ ِنظر رکھا جارہا ہے یا کہ نہیں؟ کیونکہ اگر بنیاد و اساس ہی درست نہ رکھی جائے تو جتنی چاہے محنت، دقتِ نظر اور عرق ریزی سے کام لیا جائے درست نتیجہ کا حصول محال رہتا ہے۔

اس اساسی نکتہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے جب جوازیتِ نکاح کے فتاویٰ پر تنقیدی نظر سے غور و غوص کیا جائے تو ایک چیز سب میں مشترک دکھائی دیتی ہے اور وہ یہ کہ بنات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بااعتبارِ فضیلت فقط ایک ہاشمی اور مومنہ مستور ہی قرار دیا جاتا ہے، اسی پر تمام استنباطی دلائل، تاویلات اور نظیریں قائم کی جاتی ہیں، جوازیت کے تمام فتووں میں اس مسئلہ کو عزت و تکریمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جُدا سمجھنے کے ساتھ ساتھ بناتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نسبی شرف و فضیلت سے محروم رکھا گیا ہے، کفوٗ کے لوازمات سے نسبی فضیلت کو ہی خارج کر دیا گیا ہے اور ایک عمومی معیار مناکحت وضع کر کے سادات و غیر سادات کو ایک ہی صف میں لا کھڑا کیا گیا ہے، بحیثیتِ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیّد زادی فاطمیہ کا یہ معیار کفوٗ ہر گز نہیں ہو سکتا، قرآن مجید کو یہ کہہ کر ایک طرف کر دیا گیا ہے کہ اس میں سیّد زادی فاطمیہ کے غیر سادات کے ساتھ مناکحت کی ممانعت کے ذیل میں کوئی حکم یا کم از کم واضح حکم موجود نہیں، چونکہ اساس میں ہی کجی

ہے احادیث و اقوالِ معصوم، روایات، تاریخ حقائق، دلائل، توضیح اور تحلیل کو اس ترتیب و بیان سے پیش کیا جاتا ہے کہ وہ حسبِ خواہش نتیجہ پر دلالت کرتے ہیں، یہ ہی وجہ ہے کہ فتووں میں ساداتِ بنی فاطمہؑ کی مستورات کو درجہ عمومی پر رکھ کر اُن کو اُمتِ محمدیہؐ کے عام حکم مناکحت میں داخل سمجھا گیا ہے، بصورت دیگر جوازیتِ نکاح کے تمام ادلّہ و نظائر بے محل (out of context) ہو کر رہ جاتے ہیں، سینکڑوں برس کی بے محل ابحاث اور فتووں کی اندھی تقلید نے حقیقت کو عوام الناس سے چھپا رکھا ہے، جس کسی نے بھی فتووں پر دلیل کا تقاضہ کیا اُسے مراجع حضرات اور تقلید کا دشمن گردانا گیا، ہم بارہا یہ کہہ چکے ہیں کہ اسلام دلیل و برہان کا دین ہے لیکن قائلینِ جواز مفتی اپنے فتووں کو دلیل و برہان سے ثابت نہیں کرتے چنانچہ ہم اُن کے فتاویٰ کو صرف ظنّی، قیاسی اور ذاتی ادراک و تخمینوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اُن کے برعکس ہم اپنا مدعا قرآن مجید، حدیث اور عملِ معصومین سے نصوص قطعی لا کر ثابت کرتے ہیں۔

جہاں تک عملِ چہاردہ معصومین علیہم السلام کا تعلق ہے اس سے فاطمیہ مستور کی غیر فاطمی مرد سے مناکحت پر کوئی بھی نظیر پیش نہیں کی جاسکتی، معصومین علیہم السلام کی ظاہری حیات سال دو سال کا عرصہ نہیں بلکہ تقریباً تین ساڑھے تین سو سالوں پر محیط ہے، اگر ایسی کوئی مثال موجود ہوتی کہ کسی معصوم نے اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ عمومی معیار مناکحت پر کیا ہوتا تو آج مرجعِ کرام سے اس مسئلہ پر فتوے نہ طلب کئے جا رہے ہوتے بلکہ یہ طرزِ مناکحت بھی دیگر امور دینیہ کی طرح عام پریکٹس کے

طور پر جاری و ساری ہوتی، ضمیر کی آواز اس رشتہ کے خواہش مند افراد کو ایک مرتبہ ضرور متنبہ کرتی ہے مگر ستم ظریفی یہ ہے کہ قوم کو ہر بات پر فتویٰ درکار ہے، اپنی فکر و دانش اور دینی استعداد بڑھانے سے اُسے کوئی مطلب ہی نہیں چنانچہ یہ عقیدہ وضع کر لیا گیا ہے کہ اگر کچھ غلط بھی ہوا تو روز قیامت مرجعِ تقلید ہی جواب دہ ہوں گے حالانکہ قرآن کریم پکار پکار کر کہہ رہا ہے

وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ[2]
اور کسی کے عمل سے ذرہ برابر بھی کم نہیں کریں گے ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہے

تفسیر نمونہ میں اس روش کو مندرجہ ذیل الفاظ سے بے نقاب کیا گیا ہے

> اگر انسان ذمہ داری قبول کرنے، احساس مسؤلیت اور روح حق جوئی و حق طلبی کا حامل نہ ہو، جو تقویٰ کا ایک مرحلہ ہے تو وہ کبھی بھی دین کی تحقیق کی کوشش نہیں کرتا، اور قرآنی ہدایت کو قبول نہیں کرتا[3]

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہاشمی ہونا ایک فضیلت ہے لیکن اولادِ رسول فقط ہاشمی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر ہے، ایسا سمجھنا ہی در حقیقت بنیادی سہو، اشتباہ یا غلطی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب ہاشم ہی کیا تمام کائنات سے افضل ہیں اور اُن کی اولاد آپؐ کی دائمی نسبت سے ساری اُمت بشمول دیگر بنو ہاشم سے فاضل ہے، یہ ہی نسبت و

[2] سورہ طور، آیت 21
[3] تفسیر نمونہ صفحہ 41

تکریم بنیادی علت ہے حرمت نکاح کی، یہ ہی علت ازواجِ رسولؐ کے بعد از وصال پیغمبرؐ امت کے افراد سے نکاح کی ممانعت میں کار فرما ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا [4]

اور تمھیں حق نہیں ہے کہ خُدا کے رسول کو اذیت دو یا ان کے بعد کبھی بھی ان کی ازواج سے نکاح کرو کہ یہ بات خُدا کی نگاہ میں بہت بڑی بات ہے

اس ممانعت کا اطلاق بنات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہونا ایک ضمنی صورت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی ازواج کی بیٹیاں انہی کا ایک جزو ہیں، اس کی مثال یوں ہے کہ قرآن مجید کی تکریم واجب ہے اسی تکریم کا اطلاق قرآن کی تمام آیات پر ہونا ایک ضمنی صورت ہے چاہے وہ آیات منسوخہ ہی کیوں نہ ہوں، آیاتِ منسوخہ پر عمل نہیں کیا جا سکتا لیکن ہیں تو قرآن کا حصّہ! کیا ان آیات کی تکریم کا کوئی الگ معیار بذریعہ اجتہاد و فتویٰ بنایا جاسکتا ہے؟ اور وہ بھی اس دلیل کے ساتھ کہ قرآن میں کہیں بھی واضح طور پر آیاتِ منسوخہ کی تکریم کا حکم نہیں آیا، سب جانتے ہیں کہ ان آیات کو قرآن سے علیحدہ بھی کر لیا جائے تو بھی ان کی عزت و تکریم میں کوئی فرق نہیں آ سکتا، اس مثال میں ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر معصوم اولاد کو آیاتِ قرآنیہ سے تشبیہ دی ہے اس کی بنیاد غلو نہیں بلکہ وہ اظہار ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ وحی سے ہوا ہے

---

[4] سورہ الحجرات، آیت 53

قال النبی ﷺ ان اولادی کالکتب العزیز الصالحین کالایات المحکمات والطالحین کالایات المنسوخات[5]

حضرت رسول خدا ﷺ نے فرمایا بے شک میری اولاد کتاب عزیز کی مانند ہے جو نیک اور صالح ہیں وہ تو آیات محکمات کی مانند ہیں اور جن کے اعمال اچھے نہیں یعنی وہ آیات منسوخات کی مانند ہیں

فتفکروا ۔ کیا رسول اللہ ﷺ اپنی بد اعمال یا گناہ گار اولاد کو آیاتِ منسوخہ سے تشبیہ دے کر عزت و تکریم کا مستوجب قرار نہیں دے رہے؟ تو پھر ازواج کی حرمتِ نکاح کے حکم کا ضمنی اطلاق بنات رسول ﷺ پر کیسے نہیں کیا جا سکتا؟ کیا یہ ایک واضح و بیّن ثبوت نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اس تکریم و فضلت کا باب صرف رسول اللہ ﷺ کی ازواج کے لئے ہی نہیں کھولا، بلکہ یہ عزتِ رسول کا ایک اہم پہلو ہے جس کے لئے ایک پورا نظام اصطفائیت قائم کر کے قرآن میں اعلان کیا گیا

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ[6]

اللہ نے آدم، نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو عالمین پر منتخب کر لیا ہے

پھر فوراً ہی ان مصطفیٰ افراد کو ایک ہی نسل قرار دیا گیا

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ[7]

---

[5] فضل السادات ۔ میر باقر داماد قبلہ اعلی اللہ مقامہ ۔ مطبوعہ تہران

[6] سورہ آل عمران، آیت 33

[7] سورہ آل عمران، آیت 34

یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے اور اللہ سب کی سننے والا اور جاننے والا ہے

کیا یہ نسل حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آکر ختم ہو جاتی ہے؟ اس سوال کا جواب ہاں میں دینے سے پہلے سوچ لیجیے گا کہ پھر آپ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے اولادی کا تعنہ دینے والوں میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ یہ بھی دیکھا جاسکتا ہے کہ آیت کے آخری حصّے میں اللہ کیوں سَمِیعٌ عَلِیمٌ ہونے کا اِعادہ کر رہا ہے اور پھر سورۃ الکوثر میں کس کو هُوَ الْأَبْتَرُ رکھنے کا عندیہ دے رہا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقب و خلف کی نسلی پاکیزگی اور منتخب و مصطفیٰ نسب پر یہ دونوں آیاتِ قرآنیہ نص و گواہ ہیں جو تنبیہ کرتی ہیں کہ یہ ایک ہی لڑی سے پروے ہوئے ہیں، لہٰذا اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیگر انساب کے ساتھ کسی طور حتیٰ کہ برابری کی نسبت بھی نہیں دی جاسکتی چہ جائیکہ اس نسل کی مستورات کو مفضول قرار دے کر مفضولین کے تصرف میں دے دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ کا جاری کردہ یہ سلسلہ اصطفائیت صرف اور صرف سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کی وجہ سے جاری فرمایا گیا ہے، آپ کا نور اقدس مصطفیٰ اصلاب سے لایا جاتا رہا، آپ سے بڑھ کر کوئی مصطفےٰ نہیں ہے کیونکہ جو بھی مصطفیٰ تھا آپ کے وجود نور سے تھا اور جب ایک فرد سے یہ نور منتقل ہو کر آگے چلا گیا تو جس سے یہ نور چلا گیا ہے اب اس سے وہ فاضل ہے جس میں یہ نور موجود ہے چنانچہ جب یہ نور اقدس عالمِ بشریّت میں ظاہر کیا گیا تو اب یہ خود سب سے فاضل ہے چنانچہ یہ اصطفائیت آپؐ پر ہی اوجِ کمال کو پہنچتی ہے اور آپ کی ذُریّت اور نسل آپؐ کی نسبت سے تا قیامت تمام اقوام و قبائل بشمول

دیگر افرادِ بنی ہاشم سے فاضل ہو گئی، اگر یہ اصطفائیت کی اوجِ کمال حضرت ہاشم پر آ کر رک جاتی تو پھر تمام بنی ہاشم کو ہم پلہ قرار دیا جا سکتا تھا۔

اس نور مقدس کے ان سے علٰحدہ ہو جانے کے بعد باقی تمام مفضول افراد اور اقوام اور قبائل و شعوب آپسمیں مساوی الدرجہ ہو گئے کہ ان کی فضیلت کا باعث اب ان سے جُدا ہو چکا ہے، اس واسطے اب ان سب کا تناسب جائز ہو گیا کہ سب ایک درجہ مفضول میں رہ گئے ... اس واسطے ان کا تناسب نکاح درست رہا اسی لئے سادات ہاشمیہ و مطلبیہ کا نکاح (غیر ہاشمیوں سے) جائز رکھا گیا جس سے جواز نکاح سیدّہ با غیر سیدّ کا استنباط کیا جاتا ہے۔[8]

پس سیّد زادی فاطمیہ پر فقط ہاشمی ہی ہونے کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی اس بنا پر جوازِ نکاح کا کوئی فتویٰ درست و صحیح مانا جا سکتا ہے، قائلینِ جواز کے جتنے بھی فتووے آئے ہیں اُن میں بناتِ رسول اکرم ﷺ کو فقط ہاشمیہ ہی قرار دیا گیا ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ صاحبان فتویٰ جناب ہاشم کو (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ سے افضل مانتے ہیں۔ شہید ثانی فرماتے ہیں سیّد کا معیار صرف ہاشمی ہونا ہے[9]۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ جناب ہاشم اور ان کی اولاد سّید ہے، آیت اللہ سید موسیٰ شبیری زنجانی فرماتے ہیں کہ سید وہ ہے جس کا سلسلہ نسب حضرت ہاشم سے جا ملتا ہے، رہبر انقلاب اسلامی ایران آیت اللہ خمینی تو حضرت ہاشم اور اُن کی دیگر اولاد کا پتّا بھی کاٹ ڈالتے ہیں، اُن کا کہنا ہے ممن انتسب بالاب الیٰ عبد

---

[8] حرمت بنات رسول، مصنف: سید عبداللہ شاہ عبد موسوی
[9] رسالہ جیش صحابہ کی غلط فہمیاں، صفحہ 22، مصنف: علامہ علی الکورانی عاملی

المطلب[10] یعنی سید وہ ہے جو باپ کی طرف سے حضرت عبد المطلب سے منسوب ہو، یہ ہیں علماء و مراجعوں کے نظریات جو بنیاد ہیں اُن کے فتاویٰ کی۔ ان نظریات و عقائد سے حقیقت کو چھپایا نہیں جا سکتا کہ اوجِ سیادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے ہی منسلک ہے اور اسی نسبت سے آپؐ اور آپؐ کی اولاد تا قیامت ہاشمی ہے، مُطلبی ہے، سیّد ہے اور تمام افراد و اقوام سے فاضل بھی، جب ہاشمیات میں ساداتِ بنی فاطمیہ کے تخصیصی مقام (status) کو قائم نہیں کیا جاتا تو ساری خرابی عود آتی ہے حالانکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معیار کو قائم کیا، آپؐ نے اپنی چچازاد حضرت صباغہؓ بنت زبیر بن عبد المطلب اور پھوپھی زاد زینب بنت جحش اسدی کا نکاح اپنے دست مبارک سے غیر ہاشمی افراد سے کر کے ظاہر کر دیا ہے کہ ہاشمی اور دیگر انساب (چونکہ جناب زینب ہاشمی نہیں بلکہ اسدی تھیں) کی مناکحت کا معیار عمومی ہے اس طرح دیگر افرادِ انساب پر آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت میں شرکت کا راستہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے بند اور منقطع کر دیا۔ اب اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فقط ہاشمی گردان کر اور ہاشمیات کے غیر ہاشمی افراد سے نکاح کو سیّد زادی فاطمیہ کی مناکحت پر دلیل و جواز بنا دینا دین میں ظلم و زیادتی کو ترویج دینے کے مترادف ہے۔ مولانا عبد اللہ موسوی کہتے ہیں

> ہر قوم اور قبیلہ اور شعبہ و گھرانہ کی مستورات کا حکم مردوں کے تحت ہوتا ہے ان کا ذکر اور حکم اپنے قبیلہ اور شعبہ و گھرانہ سے علیحدہ نہیں ہوتا ... لہذا بناتِ محمدؐیہ و فاطمیہ کا حکم بھی اپنے قبیلہ کے تحت ہی ہونا واجبی ہے، پس جب ابنائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

---

[10] تحریر الوسیلہ، جلد اول کتاب الخمس، مصنف آیت اللہ خمینی

اور فاطمہ سلام اللہ علیہا سے کوئی فاضل نہیں ہو سکتا تو اسی طرح بنات محمدؐ و فاطمیہ سے بھی کوئی فاضل نہیں ہو سکتا، لہذا محمدؐیہ نسل کی مستورات کا اقوام عالم میں سے کوئی بھی کفوء نہیں ہو سکتا، جب کفوء نہ ہوا تو ان کا ان سے نکاح بھی نہیں ہو سکتا نہ کیا جا سکتا ہے، کیونکہ اس سے ترجیح مفضول بر فاضل لازم آتی ہے جو قبیح و ظلم ہے [11]

اس کے برعکس شہید ثانی جناب زین الدین بن علی العاملی کیا فرماتے ہیں اور کیسی جسارت کے مرتکب ہوئے ہیں ملاحظہ فرمائیے

وزوج النبي ابنته عثمان، وزوج ابنته زينب بأبي العاص بن الربيع، وليسا من بني هاشم، وكذلك زوّج علي ابنته أم كلثوم من عمر، وتزوج عبد الله بن عمرو بن عثمان فاطمة بنت الحسين، وتزوج مصعب بن الزبير أختها سكينة، وكلهم من غير بني هاشم۔ [12]

نبی کریم ﷺ نے اپنی صاحبزادی کا نکاح عثمان بن عفان سے کر دیا تھا اور اپنی دختر زینب کا نکاح ابولعاص بن ربیع سے کر دیا تھا، حالانکہ دونوں بنی ہاشم سے نہ تھے، اسی طرح حضرت علی نے اپنی دختر ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کر دیا تھا، اور عبد اللہ بن عمرو بن عثمان کے ساتھ فاطمہ بنت الحسین کی شادی ہوئی، اور ان کی بہن سکینہ بنت الحسین کی شادی مصعب بن زبیر سے ہوئی، اور یہ سب بنی ہاشم سے نہیں تھے۔

شہیدِ ثانی ایک مشہور معروف شخصیت ہیں خود ہمارے علماء اُن کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے لیکن اُن کے نظریات کی ایک ہلکی سی جھلک نے اُن کے عقیدہ کا کوئی بھی گوشہ پوشیدہ نہیں رہنے دیا، وہ بھی اولادِ رسول ﷺ کو فقط ہاشمی گردانتے ہیں، آج تک علماء

---

[11] حرمت بنات رسول، مصنف: سید عبداللہ شاہ عبد موسوی

[12] مسالک الافہام شرح شرائع الاسلام، کتاب النکاح، مصنف شہید الثانی زین الدین بن علی العاملی

وذاکرین وخطباء جناب ام کلثوم سلام اللہ علیہا کے مفروضہ نکاح کا بطلان کرتے آئے ہیں مگر یہ نہ صرف اقرار کر رہے ہیں بلکہ یہ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مناکحت پر اسی کو دلیل بھی بنا رہے ہیں وگرنہ یہ کیوں جتلایا جا رہا ہے کہ یہ سب بنو ہاشم سے نہیں تھے، وہ رسول اللہ کی دیگر بیٹیاں بھی مانتے ہیں اور اس حوالے سے خلیفہ سوئم کو دامادِ نبیؐ بھی مانتے ہوں گے اور پھر جناب سکینہ بنت امام حسین علیہ السلام کا افسانوی نکاح بھی مانتے ہیں، اگر ان ہی عقائد کو سچا ماننا ہے تو ہمیں کسی دشمن کی کیا ضرورت ہے، دشمنانِ اہل بیت کے زر خرید مورخ اور حدیث سازوں کی فتنہ پردازیوں کی علماء امامیہ سے اگر رد نہیں ہو سکتی تو اُن کو دلیل بنا رہے ہیں، کیا یہ نیت بالخیر ہے؟ آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اس بات سے کیا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں، حقیقت تو یہ ہے کہ جس قدر جناب اُمِّ کلثوم اور دخترانِ نبیؐ سے متعلق مخالفین کی افسانوی حکایات کو درست مانا جا سکتا ہے اُسی قدر حضرت فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام اور جنابہ سکینہ بنت الحسین علیہ السلام کے متعلق حکایات بھی درست ہو سکتی ہیں، مومنین خوب جان لیں کہ علماء، خطباء اور ذاکرین کے مجلسی بیانات درست ہیں کہ ایسی دلیلیں اور عقائد؟ باعث حیرت یہ ہے کہ اس معاملہ میں شہیدِ ثانی تنہا نہیں، ایک اور کتاب وسائل الشیعہ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے

محمد بن يعقوب عن محمد بن يحيى وغيره عن أحمد بن محمد بن عيسى عن الحسين بن سعيد عن النضر بن سويد عن هشام بن سالم عن سليمان ابن خالد قال: سألت أبا عبد الله (ع) عن امرأة توفي عنها زوجها أين تعتد في بيت زوجها تعتد ؟ أو حيث شاءت ؟ قال: حيث

شاءت ثم قال: إن عليا (ع) لما مات عمر أتى أم كلثوم فأخذ بيدها فانطلق بها إلى بيته۔[13]

سلیمان بن خالد کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادقؑ سے پوچھا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے، وہ اپنی عدت کے ایام کہاں گزارے؟ خاوند کے گھر میں یا جہاں چاہے؟ امام جعفرؑ نے کہا کہ جہاں چاہے، پھر فرمایا، جب حضرت عمر فوت ہوئے تو حضرت علیؑ اپنی صاحبزادی ام کلثوم کے پاس گئے اور اس کو اپنے ساتھ گھر لے کر آئے۔

اب اس سوال وجواب کو ہی دیکھیے

السؤال: هل صحيح أن الخليفة الثاني قد تزوج من بنت الإمام علي عليه السلام؟

الجواب: هكذا ورد في التاريخ والروايات۔[14]

سوال : کیا یہ صحیح ہے کہ دوسرے خلیفہ نے امام علیؑ کی بیٹی سے نکاح کیا؟

جواب : اسی طرح تاریخ اور روایات میں آیا ہے۔

اَسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ ربی و أَتُوبُ إِلَیْهِ! مرجعِ تقلید کیا فرما رہے ہیں؟ سوال کے الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ سائل کو پتہ ہے کہ یہ واقعہ تاریخ میں درج ہے لہٰذا وہ اس افسانوی قصّہ کی کتب و روایات میں موجودگی کی تصدیق نہیں چاہ رہا بلکہ ملتمس ہے کہ مرجعِ تقلید اپنی اُس استعدادِ علمی، قابلیت، ریاضت اور تحقیق کی توسط سے کہ جس نے اُن کو مرجعۂ خلائق کے درجہ پر پہنچایا ہے راہنمائی فرمائیں کہ اس واقعہ کی کیا حقیقت ہے،

---

[13] وسائل الشیعہ، جلد 22، صفحہ 241

[14] آیت اللہ الخوئی (یہ سوال وجواب الخوئی ویب سائٹ پر بھی موجود ہے)

لیکن مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ یہ جواب تو تاریخ اسلام کا ایک واجبی سا مطالعہ رکھنے والا شخص بھی دے سکتا ہے، آیت اللہ الخوئی کے اس جواب سے تین باتیں ظاہر ہوتی ہیں، اول یہ کہ سوال کو سمجھا ہی نہیں گیا، دوئم یہ کہ اعلم زمانہ اس واقعہ کو سچا جانتے ہیں لیکن بتانا نہیں چاہتے لہٰذا ڈپلومیٹک رویہ اختیار کیا گیا، اور سوئم یہ کہ اُن کو علم ہی نہیں کہ یہ واقعہ سچا ہے کہ جھوٹا چنانچہ سطحی سا جواب دے دیا گیا، قارئین کرام! میں نے ساری بات کھول کر آپ کے سامنے بیان کر دی ہے اسے میرے جسارت مت تصور کیجئے گا، صرف بنظر غائر دیکھ کر بتایئے کہ یہ تینوں باتیں یعنی معاملہ فہمی نہ ہونا، دانستاً حقائق کو چھپانا جب کہ اُس کا شرعی مطالبہ کیا جا رہا ہو، اور مسئلہ کا علم نہ ہونا لیکن گول مول جواب دینا اور یہ جانتے ہوئے کہ مقلد اس کا کچھ بھی مطلب نکال سکتا ہے، کیا یہ اُن کے مرجعِ تقلید ہونے کے معارض آتی ہیں کہ نہیں؟

ایک عالم دین نے جنابہ فاطمہ بنت امام حسین علیہ السلام کی مثال دیتے ہوئے سر المبین کے حصہ اول پر اعتراض کیا کہ اُن معظمہ نے بھی تو غیر سیّد سے نکاح کیا تھا، اُن سے گزارش ہے کہ آپ ایک عالم دین بھی ہیں اور قم میں مقیم بھی خود ہی انصاف کر لیجیے، اگر اس من گھڑت روایت کو بالفرض محال تسلیم بھی کر لیا جائے تو بھی وہ ہم پر حجت کیسے ہو سکتی ہیں؟ وہ ایک امام کی بیٹی اور دوسرے امام کی بہو ضرور ہیں مگر نہ تو نبی ہیں نہ ہی امام، اگر اسے آپ دلیل اور حجت مانتے ہیں تو جعفر کذاب کے تمام افعال کو بھی قبول کر لیجئے کہ وہ بھی تو ایک امام کے بیٹے تھے اور دوسرے امام (حضرت امام زمانہ علیہ السلام) کے چچا، پھر آپ نے کیوں ان کو حجت تسلیم نہیں کیا؟ یہ اور اس طرح کی دیگر باتیں دل آزاری کا باعث اور کٹ حجتی تو ہو سکتی ہیں مگر دلیلیں نہیں، آپ سے قوم

کو اپنے دفاع کی اُمیدیں ہیں، دشمن کے چلائے ہوئے نشتروں کو پیشہ ورانہ ہنر مندی سے اپنی ہی قوم پر مت آزمائیں۔ دشمن آج پہلے سے زیادہ منظم اور ہوشیار ہے! وہ بڑی باریک بینی اور انہماک سے آپ کا جائزہ لے رہا ہے۔

از راہ کرم تاریخ کے شگوفے بھی مت دکھائیں، یہ وہ کارنامہ ہے جو دشمنان اہل بیت کے زر خرید موٴرخوں کا کیا دھرا ہے، آپ جیسے مودتِ اہل بیت کے مدعی' اعلیٰ علمی قابلیت و استعداد رکھنے کے باوجود بے ضمیر موٴرخوں کے پیدا کردہ الجھاو آج تک سلجھا نہیں سکے تو اُن کو خُدارا دلیلوں اور عذر کی شکل میں قبول بھی مت کیجئے، معیارِ دین فقط کتاب اللہ، رسول اللہ ﷺ اور آئمہ معصومین کی احادیثِ قولی و فعلی ہیں، اس معیار پر حالات و واقعات کو جانچیے، حق و باطل کو اُس کے اصل تناظر میں سمجھنے کی کوشش کریں، نتائج آپ کے سامنے ہوں گے یہ کہہ کر اپنی قابلیت کی توہین اور ناکامی کا اعلان نہ کریں جیسا کہ شریف رضی نے کیا ہے

فأما انكاحه عليه السلام اياها، فقد ذكرنا في كتابنا الشافي، الجواب عن هذا الباب مشروحا، وبينا انه (ع) ما أجاب عمر إلى انكاح بنته إلا بعد توعد وتهدد ومراجعة ومنازعة[15]

جہاں تک امام علیہ السلام کا اپنی لڑکی کو حضرت عمر سے نکاح کرنے کا تعلق ہے، تو اس مسئلہ کا جواب ہم نے کتاب الشافی میں پورے بسط و تفصیل سے تحریر کر دیا ہے۔ اور ہم نے واضح کر دیا ہے کہ حضرت علی المرتضٰی نے اپنی لڑکی کا رشتہ عمر بن الخطاب کے ڈرانے دھمکانے اور بار بار مراجعت و منازعت کے بعد کیا تھا۔

---

[15] تنزیہ الانبیاء، صفحہ 191، مصنف الشریف المرتضیٰ

اگر اس توجیح کو بطورِ دلیل مان لیا جائے (گو کہ یہ شانِ امیر علیہ السلام کے خلاف ہے) تو یہ ایک اضطراری حالت کی نشاندہی کرتی ہے جس میں ڈرانے دھمکانے کا عمل خطرہ جان ہوتا ہے تو ایسی حالت میں تو بہت سے دینی امور ساقط ہو جاتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ عمومی حالات میں بھی ان اضطراری اقدامات کو جاری رکھا جائے، مولانا عبداللہ شاہ عبد موسوی نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ سن ۱۹۶۰ء کے عشرہ میں کچھ پاکستانی طلبا نے نجف اشرف میں سیّد زادی فاطمیہ کے غیر سیّد سے عقد کے بارے میں ایک مرجع سے سوال کیا تو انہیں جواب ملا جائز است۔ طلبا کو مختصر جواب سے تشفی نہ ہوئی مگر مزید استفسار کی جرات بھی نہ کر سکے، بعد ازاں وہ ایک دوسرے مرجع آغا شیخ عبد الکریم زنجانی کی خدمت میں جا پہنچے اور عرض کی کہ ایک اعلم زمانہ نے اس مسئلہ پر "جائز است" فرمایا ہے آپ کیا فرماتے ہیں اُنہوں نے بلا توقف فرمایا

بلے جائز است مثل گوشت خنزیر در حالیکه حلال غذا میسر نمیشود و
لکن وقتی که حلال غذا موجود میسر است گوشت خنیزیر خوردن چه
طور حلال است

ہاں جائز ہے! مثل گوشت خنزیر جبکہ حلال غذا نہ مل سکے لیکن جب حلال غذا موجود و
میّسر آتی ہو پھر بھی گوشت خنزیر کھاتا رہے! کس طرح جائز ہے

پس فقط جناب ام کُلثوم سلام اللہ علیہا اور فاطمہ بنت الحسین علیہ السلام کی ہی مثالیں نہیں بلکہ اور کئی دیگر تاریخی جسارتوں اور موشگافیوں کو بھی لے آئیں تو اُن کو عمومی حالات میں دلیل فتویٰ نہیں بنایا جاسکتا۔

مولانا ابو الحسنین وزیر حسین العلوی جو کہ خود کو حضرت عباس بن علی علیہ السلام کی اولاد کہتے ہیں ایک قدم اور آگے بڑھ کر دوسری سمت سے نشر زن ہوتے ہیں، اُنہوں نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا کہ

> ''دنیائے اسلام کی سب سے بڑی اسلامی یونیورسٹی قم اور نجف میں مراجعِ تقلید کے دستور کے مطابق ہاشمی طلباء اور علماء سیاہ عمامہ (دستار) اور غیر ہاشمی طلباء و علماء سفید عمامہ پہنتے ہیں۔ اسی بنا پر ۱۵ شعبان عید میلاد امام زمان عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے دن حقیر کی دستار بندی کے موقع پر نائب امام زمانہ علیہ السلام (عج) مرشد طریقت، عارف کامل آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج محمد تقی بہجت مدظلہ العالیٰ کے دستور اور دست مبارک سے سیاہ عمامہ ہی رکھا گیا۔''[16]

مولانا وزیر حسین صاحب آپ کی سیادت پر کس کو شبہ ہے میں ذاتی طور پر باب الحوائج مولا عباس علیہ السلام کو اور اُن کی اولاد کو سّید اور ہاشمی مانتا ہوں لیکن جہاں تک سیاہ عمامہ کا تعلق ہے یہ تو فی زمانہ ساداتِ بنی فاطمہؑ کا ایک امتیاز بن چکا تھا، ورنہ اس کو تو کوئی بھی پہن سکتا ہے شرعاً اس میں کوئی قید نہ پہلے تھی نہ اب ہے، لیکن جو چیز اہم ہے وہ ہے آپ کی نیت! لوگوں سے ساداتِ بنی فاطمہ کے دیگر فضائل کہاں برداشت ہوئے

---

[16] اولاد امیر المومنین علیہ السلام، صفحہ 12، مصنف وزیر حسین العلوی

ہیں کہ اس امتیاز کو بھی باقی رہنے دیا جائے، آپ جیسے خلف رشید ہی شہنشاہِ وفا کو اسی طرح کی خوشیاں دے سکتے ہیں، کچھ مزید عرض کیا تو آپ کی طبعیتِ نازآفریں پر اندیشہ ہے گراں گزرے گا جس کا یہ عاجز اور مسکین فاطمی سیّد جو نانِ جویں کی تلاش میں ایک مدت سے غریب الوطن بھی ہے ہر گز متحمل نہیں ہو سکتا، اگر حکم فرمائیں تو میں لال، پیلا، نیلا، یا سفید کوئی سا بھی عمامہ پہن سکتا ہوں بلکہ ضرورت ہی کیا ہے کہ آپ کے مقابل سر پر عمامہ رکھوں، نہ اب میں مدینہ رسولؐ میں ہوں اور نہ ہی میرے وارث و سردار (حجتِ زمانہؑ) ظاہراً موجود ہیں، آپ خمس وصول کریں، بنات رسول اور اولادِ رسول پر فتوے جاری کریں، حتیٰ کہ ان کی شناخت بھی مٹا دیں۔ اورہاں ! ہم بے وارثوں کا مطلق خوف نہ رکھیں ! ہم تو ایک زمانے سے اپنی جانیں اور عزتیں بچاتے مارے مارے پھر رہے ہیں۔

حیرت ہے کہ یہ بات مولانا موصوف کی سمجھ میں نہ آسکی کہ اگر فاطمی اور علوی سادات میں فرق نہ ہوتا تو اس تخصص کو برقرار رکھنے کی کیا غرض و علت تھی ؟ فقط لفظ سیّد سے کام چلا لیا جاتا، اگر حسنینؑ کریمین اور اُن کی اولاد کا خصوصی مرتبہ نہیں تھا تو امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے لئے حضرت عباس علیہ السلام کی تمنا کیوں کی تھی؟ اور پھر ایک محاذ پر کیوں بار بار حضرت محمد (حنفیہ) کو جنگ پر بھیجتے رہے اور اُن کے استفسار پر کہا کہ واللہ انت ابنی حقا و ھما ابناء رسول اللہ ۔ خُدا کی قسم حقیقتاً میرا بیٹا تو ہی ہے وہ تو رسولؐ اللہ کے بیٹے ہیں اُنہیں کچھ ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل قطع ہو جائے گی، جب جدِ اعلیٰ ہی اس فرق کو قائم رکھے ہوئے ہیں تو آپ کو کیا

امر مانع ہے؟ مجمع البیان کے حوالے سے علامہ حسین بخش جاڑا لکھتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

اَنَّ کُلَّ بَنِی بِنْتٍ یُنْسَبُوْنَ اِلیٰ اَبْنِھِمْ اِلَّا اَوْلَادُ فَاطِمَۃَ فَاِنِّیِ اَنَا اَبُوْھُم[17]
لڑکی کی اولاد ہمیشہ اپنے باپ کی طرف منسوب ہوا کرتی ہے مگر اولادِ فاطمہؑ میری طرف منسوب ہو گی پس میں ان کا باپ ہوں

آیت قرانی ہے کہ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُواْ وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبیٰ[18]۔ اور جب بات کرو تو انصاف کے ساتھ چاہے اپنے اقربا ہی کے خلاف کیوں نہ ہو ۔ غور فرمایئے گا!

---

[17] تفسیر انوار الجنف فی اسرا المصحف، جلد 11، صفحہ 201
[18] سورہ الانعام، آیت 152

باب دوئم

ذریّت رسولؐ

مفاخرت نسبی کا اظہار اہل عرب کے ثبوتِ شرافت کا قدیم معیار ہے، اہل علم نے اسے انسان کا وصف ذاتی قرار دیا ہے۔ شعورِ نسب و قبیلہ جس قدر قدیم ہے اسی قدر اس پر اظہار مفاخرت کا طرز عمل بھی قدیم ہے یعنی مفاخرتِ نسبی کا آغاز اس وقت سے پایا جاتا ہے جس وقت سے قومیت کی بنیاد پڑی اس کا تاریخی ثبوت طوفان نوح کے بعد تک کا ملتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کے دور میں نسل و قومیت کا تصور قوی تر ہو چکا تھا اور اس کا اثر جناب ابراہیمؑ کی مشہور زمانہ دعا میں بھی ملتا ہے وہ فرماتے ہیں

وَإِذِ ابْتَلَى إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ۔

اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراہیم کا امتحان لیا اور انہوں نے پورا کر دیا تو اس نے کہا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام اور قائد بنا رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کی کہ میری ذریّت؟ ارشاد ہوا کہ یہ عہدۂ امامت ظالمین تک نہیں جائے گا۔

یعنی حضرت ابراہیم نے بھی اپنی ذریت و نسل کی سفارش کی جسے اللہ تعالیٰ نے مشروط کرکے قبول کیا۔

ہم یہ پہلے بیان کر چکے ہیں لیکن ایک مرتبہ پھر مختصراً اعادہ کرتے ہیں تاکہ نفسِ موضوع پوری طرح واضح ہو سکے کہ تمام انسان، انساب، قبیلے اور خاندان اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ ہیں لہٰذا سب ہی اپنے اپنے مقام پر محترم اور معزز ہیں، یہ فطرت کا تقاضہ ہے جو کہ اصلِ دین ہے

فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ[1]

آپ اپنے رخ کو دیں کی طرف رکھیں اور باطل سے کنارہ کش رہیں کہ یہ دین وہ فطرت الٰہی ہے جس پر اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور خلقت الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی، یقیناً یہی سیدھا اور مستحکم دین ہے مگر لوگوں کی اکثریت اس بات سے بالکل بے خبر ہے

اسلام کا طُرّہ امتیاز ہے کہ رنگ و نسل قوم اور قبیلے کی بنیاد پر کسی بھی فرد، نسب، اور قوم کی تذلیل نہیں کی جاسکتی، اسی طرح سب کو ایک ہی صف و قطار میں کھڑا کر کے شعوب و قبائل کی قرآنی تقسیم و پہچان کو منہدم بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، دورِ جہالت میں یہ ہی خرابی تھی کہ مختلف قوموں اور قبیلوں نے اپنی فضیلتیں اور اعلیٰ خصائص ازخود اخذ و مرتب کر رکھے تھے جن کی بنیاد پر وہ مفاخرات کے غیر منصفانہ فعل میں مبتلا تھے، ایک دوسرے کی تزلیل وہتک کی جاتی تھی حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی متحارب افراد اپنے سے کمتر قبیلوں اور افراد سے لڑنا توہین سمجھتے تھے، غزوہ بدر کے واقعات سے اس کی واضح نظیر ملتی ہے، اللہ تعالیٰ اور نبی مرسلؐ نے اس خود ساختہ اور غیر عادلانہ نظام

---

[1] سورۃ الروم، آیت 30

مفاخرت کا ابطال کیا اور واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں مخصوص خصائص کے ساتھ شاخیں اور قبیلے بنائے ہیں جو ان کی وجہ پہچان ہیں، لہذا اُن خصوصیات سے ان کی شناخت ہونا چاہیئے اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہونے کی بنا پر کسی کی تذلیل نہ ہو، ان ہی انسانوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خصوصی عنایت سے بعض افراد کو مصطفیٰ بنایا اور اُنہیں اپنے فضل سے عالمین میں اعلیٰ مقام عطا فرماتے ہوئے ایک نسل قرار دیا لیکن حضرتِ انسان اپنی حرکات سے باز نہ آیا اور اپنی اختراعات اور الُوہی فضائل و شرف کو حسد و جہالت سے خلط ملط کرتا چلا گیا، اس نے نہ صرف دونوں کے درمیان حدِ فاصل کو قائم نہ رکھا بلکہ تمام انسانوں کو ایک ہی شمار کر کے کہہ دیا کہ اسلام تو حسب نسب کی تمیز اور پہچان کے سرے سے ہی خلاف ہے، یہ تعبیرات و تاویلات اسلام پر بہتان اور دین الٰہیہ کی اصل تعلیم و احکام کی صریحاً غلط بیانی اور لغو تشریح، گمراہی اور فساد ہے جس سے اجتناب لازمی ہے۔

اسلام نے معاشرتی اور نسلی فساد سے بچاو کے لئے کفوٗ کا معیار تین اجزاء یعنی حسب، نسب، اور دین و ایمان پر استوار کیا ہے کیونکہ مائیں، بہنیں، اور بیٹیاں کسی بھی نسب، قبیلے اور خاندان کا ہمیشہ سے ایک حساس عنصر رہی ہیں، انہی کو قوموں کی عزت و وقار کی علامت سمجھا جاتا ہے، وہ افراد جو جمہوری اسلام اور مغرب کے پراپیگنڈہ کے زیر اثر ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ آج کے دور میں شادی شدہ مرد و عورت ہر اعتبار سے برابر ہیں لیکن حقیقتاً ایسا نہیں ہے، مرد و عورت صرف بحیثیت انسان برابر ہیں لیکن حقوق و فرائض، جسمانی ساخت، اور طبعاً ایک جیسے نہیں، عورتوں کی تمام تر حفاظت، ضروریات اور خوشگوار زندگی کا ضامن مرد کو بنایا گیا ہے جس پر قرآن مجید کی نص

موجود ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ [2]۔ مرد عورتوں کے حاکم اور نگراں ہیں ان فضیلتوں کی بنا پر جو خدا نے بعض کو بعض پر دی ہیں۔ اس آیۂ کریمہ سے عورتوں پر مردوں کی حاکمیت ثابت و ظاہر ہے نیز یہ بھی واضح ہے کہ اللہ کی عطا کردہ فضیلتیں ہی افراد کے درمیان باعثِ فضیلت و حاکمیت ہوتی ہیں انسانوں کی اپنی ایجادات نہیں، پس جس نسل کو اللہ تعالیٰ عالمین پر فاضل قرار دے اس کی مستورات کو مفضولین کی حاکمیت میں کیسے دیا جاسکتا ہے؟ ایسا کرنا ظلم کو دین میں ترویج دینے کے مترادف ہے، ایسا حکم اللہ تعالیٰ کے دینِ فطرت کے معارض ہے، ہرگز موافق نہیں ہو سکتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کا عقب و خلف ہی وہ نسل ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فضیلت عطا فرمائی ہے، اس فضیلت کی وجہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت ہے، یہ نسلِ متواترہ ہے یعنی ایک کے بعد دوسرا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد عبد مناف کی کئی اولادیں تھیں لیکن یہ شرف و فضیلت فقط جناب ہاشم کو ملی ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ [3]۔ یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے۔ جب یہ سلسلہ جناب عبد المطلب پر پہنچا تو دو حصّوں میں منقسم ہوا اور حضرت عبد اللہؑ بن عبد المطلب اور حضرت ابو طالبؑ بن عبد المطلب سے ہوتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنین علیہ السلام کی صورت میں اوجِ کمال پر ظاہر ہوا۔ الا ان علی ابن ابی طالب من حسبی و نسبی [4]۔ آگاہ رہو کہ علی ابن ابی طالب میرے حسب و نسب سے ہیں۔ پھر فرمایا۔ انا و علی من شجرہ واحدہ و سائر

[2] سورہ النساء، آیت 34
[3] سورہ العمران، آیت 34
[4] بحار الانوار جلد 7، صفحہ 241

الناس من شجر شتی[5]۔ میں اور علی ایک شجرہ سے ہیں اور باقی لوگ مختلف شجروں سے ہیں۔ یہی سلسلہ بعد اذاں شہزادیٔ کونین حضرت فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کی توسط سے ایک مرتبہ پھر یکجا ہو کر اس آیہ قرانیہ کی توضیح و تشریح کرتا ہے مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ[6]۔ اس نے دو دریا بہائے ہیں جو آپس میں مل جاتے ہیں۔ يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ[7]۔ ان دونوں دریاؤں سے موتی اور مونگے برآمد ہوتے ہیں۔ ان آیات مبارکہ کی تفسیر میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں، علی و فاطمہ بحران عمیقان، لا یبغی احدھما علی صاحبہ یخرج منہما اللؤ و المرجان، قال: الحسن والحسین[8]۔ علی علیہ السلام و فاطمہ علیہا السلام دو عمیق سمندر ہیں کہ جن میں سے کوئی ایک دوسرے پر تجاوز نہیں کرتا اور ان دو دریاؤں سے لُو لُو و مرجان یعنی حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام برآمد ہوئے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں سے اولادِ فاطمہؑ یعنی ذرّیّتِ رسولؐ کا آغاز ہوتا ہے اور آوازِ قدرت آتی ہے قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى آللَّهُ خَيْرٌ أَمَّا يُشْرِكُونَ[9]۔ آپ کہیے کہ ساری تعریف اللہ کے لئے ہے اور سلام ہے اس کے ان بندوں پر جنہیں اس نے منتخب کر لیا ہے آیا خدا زیادہ بہتر ہے یا جنہیں یہ شریک بنا رہے ہیں۔ علامہ باقر داماد علیہ الرحمہ اس آیہ مبارکہ کے بارے میں ایک روایت بیان کرتے ہیں

> عن ابو الصالح عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ قُلِ الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى قال ھم اھل البیت رسول اللہ و علی ابن ابی طالب و فاطمۃ و الحسن و الحسین و اولادھم الیٰ یوم القیامۃ۔[10]

---

[5] ایضاً، جلد 15، صفحہ 19
[6] سررہ رحمٰن، آیت 19
[7] ایضاً، آیت 22
[8] تفسیر تمونہ، جلد 13، صفحہ 235
[9] سورہ النمل، آیت 59
[10] فضائل السادات، صفحہ 260، علامہ محمد باقر داماد

جناب ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ نے اس آیت کے متعلق الْحَمْدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصْطَفَى فرمایا میری اہل بیت علی علیہ السلام ابن ابی طالب فاطمۃ الزہرا علیہا السلام، حسن علیہ السلام، حسین علیہ السلام اور اُن کی قیامت تک آنے والی اولاد ہیں۔

آیت اللہ سید احمد مستنبط اعلیٰ اللہ مقامہ کہتے ہیں کہ حضرت بی بی سلام اللہ علیہا نے اپنی وصیت میں امیر المومنین علیہ السلام سے کہا واقرا علی ولدی السلام الیٰ یوم القیامۃ۔[11] اور قیامت تک آنے والی میری اولاد کو میرا سلام کہہ دینا۔ قارئین کرام! یہ آیاتِ مبارکہ اور اقوالِ معصومین متنبہ کر رہے ہیں کہ اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کے متعلق گمراہی کا شکار نہ ہوا جائے کیونکہ یہ اُس سلسلہ نسب سے منسلک ہیں جو روزِ قیامت بھی منقطع نہیں ہو گا۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل حسب و نسب و صھر منقطع یوم القامۃ الا حسبی و نسبی و صھری۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ہر ایک کا حسب و نسب رشتہ قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا حسب و نسب و رشتہ قطع نہیں ہو گا۔ ان فضائل کی حامل نسل کی مستورات کا کیا کوئی دوسرا سلسلہ نسب کفوٴ ہو سکتا ہے؟ غیر معصوم اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسداً، دانستاً، سہواً یا پھر فنکارانہ تاویلات سے نسبی فضیلتوں سے محروم ٹھہرانے اور ان کو فقط ہاشمی قرار دے کر اسلام کے عمومی حکمِ مناکحت میں داخل سمجھنا کہاں کا عدل و انصاف ہے۔ لہٰذا امت کے عمومی احکامات کو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جاری نہیں کیا جا سکتا، ہم نے اوپر یہ آیت مبارکہ بیان کی ہے

---

[11] القطرہ، جلد 1، صفحہ 527، آیت اللہ سید احمد مستنبط

وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَٰلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ۔[12]

اور جب بھی تم ان سے کوئی شئے مانگو تو پردہ کے پیچھے ہو کر مانگو کہ یہ امر تمہارے اور ان کے دلوں کا پاک رکھنے والا ہے۔

یہ بھی بظاہر ایک عمومی حکم ہے جس میں ازواج نبیؐ کی تکریم کو اُمت پر واضح کیا گیا ہے لیکن کیا یہ حکم اولادِ رسول جو کہ ازواج رسولؐ کی صلبی اولاد ہے پر بھی جاری کیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اس آیت مبارکہ کے متعلق کیا خیال ہے مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ[13]۔یعنی محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اس حکم میں (رِّجَالِكُمْ) کی ضمیر (کم) کا عمومی احاطہ تمام مردوں پر کریں گے تو پھر اولادِ فاطمہ سلام اللہ علہیا کو کہاں لے جائیں گے؟ اس صورت میں کیا آیات قرآنیہ میں تضاد ثابت نہیں ہوتا کہ جب اللہ تعالیٰ آیۂ مبارکہ مباہلہ میں فرماتا ہے فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ أَبْنَاءَنَا[14]۔ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم لوگ اپنے اپنے فرزند بلائیں۔ اگر پھر بھی قائلین جواز کی منطق درست مان لی جائے (حالانکہ اس سے ابطال قرآن ہوتا ہے جو کہ کفر ہے) تو پھر آئمہ معصومین علیہم السلام کی تکذیب ہوتی ہے جو خود کو ابن رسول اللہ ﷺ کہتے رہے ہیں۔ لہٰذا حکم خدا اور رسولؐ کی حقیقی غرض و غائیت اور ماہیت تک رسائی حاصل کرنا لازم و واجب ہے وگرنہ بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جاتی ہے، اسی وجہ سے مولانا عبد موسوی کہتے ہیں

[12] سورہ احزاب 53

[13] سورہ الاحزاب، آیت 40

[14] سورہ آل عمران، آیت 61

امتی کے بعض احکام اولاد رسول پر لاگو نہیں ہوتے، اولادِ رسول کا ایک الگ سٹیٹس ہے جس کو امت کے ساتھ خلط ملط کرنے سے کفر لازم آتا ہے [15]

ضروری ہے کہ یہاں آلِ محمدﷺ، اہل بیتِ نبیؐ، اہل بیت نبوہ، ذریتِ محمدﷺ، عترتِ محمدﷺ کے معنی واضح کئے جائیں تاکہ غیر معصوم اولادِ نبیؐ کو ان کے حقِ نسبی سے محروم کرنے والوں کے نظریات کا مزید ابطال کیا جا سکے لیکن بیان کے تسلسل کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم اسے اس باب کے آخر تک ملتوی کرتے ہیں۔

نسبِ سادات اور اس کا معیار صرف دنیا میں ہی نہیں بلکہ آخرت میں بھی قائم رکھا گیا ہے جیسا کہ اوپر قولِ رسول اللہﷺ سے واضح کیا گیا ہے، اب آیئے قرآنِ کریم سے رجوع کرتے ہیں

إِنَّ الْمُتَّقِينَ فِي جَنَّاتٍ وَنَعِيمٍ۔ فَاكِهِينَ بِمَا آتَاهُمْ رَبُّهُمْ وَوَقَاهُمْ رَبُّهُمْ عَذَابَ الْجَحِيمِ۔ كُلُوا وَاشْرَبُوا هَنِيئًا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ۔ مُتَّكِئِينَ عَلَى سُرُرٍ مَّصْفُوفَةٍ وَزَوَّجْنَاهُم بِحُورٍ عِينٍ۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ۔ وَأَمْدَدْنَاهُم بِفَاكِهَةٍ وَلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُونَ۔ يَتَنَازَعُونَ فِيهَا كَأْسًا لَّا لَغْوٌ فِيهَا وَلَا تَأْثِيمٌ۔ وَيَطُوفُ عَلَيْهِمْ غِلْمَانٌ لَّهُمْ كَأَنَّهُمْ لُؤْلُؤٌ مَّكْنُونٌ۔ وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ۔ قَالُوا إِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِي أَهْلِنَا مُشْفِقِينَ۔ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا وَوَقَانَا عَذَابَ السَّمُومِ۔ إِنَّا كُنَّا مِن قَبْلُ نَدْعُوهُ إِنَّهُ هُوَ الْبَرُّ الرَّحِيمُ۔ [16]

---

[15] حرمت نبات رسول، مصنف مولانا عبداللہ شاہ عبد موسوی

[16] سورہ طور آیت 17-28

بیشک متقی لوگ جنت اور نعمتوں میں جو ان کو انکے رب نے دیا ہو گا آرام او سکون سے بیٹھے ہونگے اور ان کے رب نے ان کو جہنم سے بچا لیا ہو گا اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنے اعمال خیر کے عوض میں جو تم کو پسند ہو کھاؤ اور پیو وہ صف بستہ تختوں پر تکیہ لگائے ہوں گے انکو خوش چشم خوبصورت آنکھوں والی حوروں سے تزویج کیا جائے گا اور وہ لوگ جو ایمان دار ہیں ان کی اولاد نے ایمان میں ان کا اتباع کیا ہو گا ان کو ان کے والدین سے ملا دیا جائے گا اور ان مومنین کے درجہ میں کوئی کمی نہ کی جائے گی ہر شخص اپنے عمل میں مرہون ہو گا اور ہم ایسے پھلوں اور گوشت سے ان کو غذا دیں گے جن کی ان کو خواہش ہو گی خوش طبعی و خوش مزاجی سے ان پیالوں کو آپس میں چھینتے ہونگے جن سے نہ لغو فعل صادر ہوتا ہے اور نہ ہی الزام عائد ہوتا ہے اور محفوظ رکھے ہوئے موتیوں کی مانند غلمان ان کی اطاعت و خدمت کے لئے چکر لگاتے ہونگے اور وہ ایک دوسرے سے خطاب کر کے پوچھتے ہوں گے کہ ہم تو اس سے پہلے اپنے مقام پر ڈرتے تھے۔ پس اللہ نے ہم پر احسان کیا اور ہم کو جلانے والے عذاب سے بچا لیا ہم اس سے پہلے ہی اس کی وحدت کے قائل تھے۔ پس بے شک وہ بڑا رحم کرنے والا ہے

قارئین کرام! ان آیاتِ مبارکہ کو انتہائی توجہ سے پڑھیں اور ان کے مجموعی مفہوم کو ذہن نشیں کیجئے خصوصا یہ آیہ مبارکہ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ كُلُّ امْرِئٍ بِمَا كَسَبَ رَهِينٌ۔ اور وہ لوگ جو ایمان دار ہیں ان کی اولاد نے ایمان میں ان کا اتباع کیا ہو گا ان کو ان کے والدین سے ملا دیا جائے گا اور ان مومنین کے درجہ میں کوئی کمی نہ کی جائے گی۔ اس آیۂ مبارکہ میں سادات بنی فاطمہ سے متعلق نہایت ہی اہم امور کی وضاحت کر دی گئی ہے تاہم ایسے افراد کو حقیقی مطالب تک رسائی کے لئے چشم بینا کی

ضرورت ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا میں غیر معصوم اور ایک عام اُمتی میں کوئی فرق نہیں۔ یہ آیہ مبارکہ کہہ رہی ہے کہ وہ مومنین ومتقین جو اپنے نیک اعمال سے جنت حاصل کریں گے ان کی ایسی اولاد کہ جس نے صرف ایمان (یہ نکتہ قابل توجہ ہے) میں اپنے والدین کا اتباع کیا ہو گا کو بھی جنت میں داخل کیا جائے گا، ظاہر ہے کہ اس اولاد کے اعمال اپنے والدین جیسے نہ ہوں گے یا دوسرے الفاظ میں وہ اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں جانے کے قابل نہ ہو گی لیکن والدین کے ایمان پر پختہ عقیدہ رکھتی ہو گی چنانچہ اسے صرف والدین کی خوشنودی کی خاطر نہ صرف یہ کہ جنت میں داخل کیا جائے گا بلکہ والدین کے ہی درجہ میں رکھا جائے گا، یہاں اولاد سے آئمہ طاہرینؑ مراد نہیں لئے جاسکتے کیونکہ ان کے اعمال پر نقص کا گمان ہی اعمال کو جلا کر خاکستر کر دینے کے مترادف ہو گا، اللہ تعالیٰ یہاں پر یہ بھی واضح کر رہا ہے کہ ایسا کرتے ہوئے والدین کے درجہ میں کسی قسم کی کوئی بھی کمی نہیں کی جائے گی، اس طرح مندرجہ ذیل نکات ظاہر ہوتے ہیں

1. جنت میں صرف متقین ہی جائیں گے
2. ان متقین کی اولاد کو بھی ان سے ملحق کیا جائے گا
3. سب اولاد نہیں بلکہ صرف وہ جو والدین کے ایمان کی اتباع کرتے ہوں گے
4. ایسی اولاد کے اعمال اس قابل نہ ہوں گے کہ وہ جنت میں جاسکیں
5. وہ والدین کے درجہ میں لے جائے جائیں گے
6. اس اقدام سے والدین کے درجات میں کوئی کمی نہ کی جائے گی

اب خوفِ خداوند تعالیٰ کو سامنے رکھتے ہوئے ان سوالات کا جواب دیں کہ اولادِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے والدین کون ہیں، کیا وہ سرداران اہل جنت نہیں؟ کیا دیگر آئمہ طاہرین آبائے سادات نہیں؟ ہمارا ایمان ہے کہ یہ حضرات جنت کے جس مقام و درجہ میں ہوں گے وہاں تو عام متقی بھی نہ جا سکیں گے، اب ان کی اولاد جو کہ ساداتِ بنی فاطمہ ہیں اس وعدہ قرآنی کے مطابق جب اپنے والدین سے ملحق ہو گی تو کہاں رکھی جائے گی؟

کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں کہ جن کی گھٹی میں شک و شبہ رچ بس جاتا ہے ایسے لوگ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آیہ مبارکہ میں وَالَّذِينَ آمَنُوا کہا ہے جس سے مراد تمام اُمتی ہیں، ایسے افراد کے شبہ کا علاج بھی قرآن و حدیث میں کر دیا گیا ہے بشرطیکہ وہ اس پر ایمان رکھتے ہوں، ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کل حسب و نسب و صھر منقطع یوم القامۃ الا حسبی و نسبی و صھری۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں ہر ایک کا حسب و نسب رشتہ قیامت کے دن منقطع ہو جائے گا مگر میرا حسب و نسب و رشتہ قطع نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءلُونَ۔ فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُوْلَئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ[17]۔

پس جب صور پھونکا جائیگا تو ان کے درمیان نسب قائم نہ رہے گا اور نہ ہی کسی کے نسب کا لحاظ کیا جائیگا نہ نسب کا سوال ہو گا۔ پس جن کے اعمال کا وزن بھاری ہو گا وہ ہی فلاح

[17] سورہ المومنون، آیت نمبر 101۔103

پائیں گے۔ اور جن کے اعمال کا وزن ہلکا ہو گا وہی جانوں کے گھاٹے میں رکھنے والے ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہوں گے

پس یہ ظاہر و ثابت ہے کہ سوائے اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام افراد کے حسب و نسب ہی برقرار نہ رکھے جائیں گے تو ایسی صورت میں یہ کون والدین ہیں جن کی اولاد کو صرف اتباعِ ایمان کی وجہ سے اُن کے درجہ میں بلند کیا جائے گا؟ کیا یہ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی اور ہو سکتے ہیں؟ وہ لوگ کہ جن کا نسب ہی باقی نہ رکھا جائے گا ان کی اولاد کا کیا لحاظ رکھا جائے گا؟

سورہ طور کی متذکرہ بالا آیات مبارکہ کے متلق اپنی بحث کو جاری رکھتے ہوئے ہم اپنے موقف پر مزید شواہد اکٹھے کرتے ہیں، علامہ حسین بخش جاڑا اپنی تفسیر میں ایک روایت نقل کرتے ہیں

ایک روایت میں منقول ہے کہ آیت مجیدہ حضرت محمدؐ و آل محمدؐ کے حق میں اتری ہے۔ اور حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے ہے کہ جب قیامت ہو گی تو جانب عرش ایک منادی ندا کرے گا۔ یَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ غُضُّوْا اَبْصَارَكُمْ حَتّٰى تَمُرَّ فَاطِمَةُ بِنْتُ مُحَمَّد۔ یعنی اے لوگو! آنکھیں بند کرلو۔ تا کہ جناب فاطم علیہا السلام بنت محمدؐ گزر جائیں پس وہ سب سے پہلے لباسِ جنت میں ملبوس ہوں گی۔ اور بارہ ہزار حُوران جنت ان کا استقبال کریں گی۔ جن کے پیچھے پچاس ہزار ملائکہ ہوں گے جو یاقوتی رنگ کی سواریوں پر سوار ہوں گے جن کی مہاروں میں موتی جڑے ہوں گے۔ ان کے کجاوے زبرجد کے ہوں گے جن پر سندس کی تہیں لگی ہوں گی۔ پس بی بی صراط سے گزر کر

فردوس میں قدم رکھیں گی۔اور نور کے تخت پر جلوہ گر ہونگی۔اور ان کے آس پاس حورانِ جنت ہوں گی۔زیر عرش دو محل ہوں گے ۔ایک سفید جس میں ستر ہزار عالی شان بنگلے ہوں گے جن میں محمدؐ و آلِ محمدؐ کی رہائش ہو گی۔ اور دوسرا زرد جس میں ستر ہزار بنگلے ابراہیم و آل ابراہیم کے لئے مخصوص ہوں گے ۔ پس ایک فرشتہ جانب پروردگار سے بی بی کی طرف پیغام پہنچائے گا اور عرض کرے گا کہ خُدا فرماتا ہے جو کچھ طلب کرو میں دینے کو تیار ہوں۔ پس بی بی کہیں گی کہ میں اپنی اولاد اور حُبداروں کے لئے شفاعت کرتی ہوں تو وہ فرشتہ جانب پروردگار سے پھر پیغام پہنچائے گا کہ آپ کی شفاعت مقبول ہے۔ پس بی بی حمد پروردگار بجا لائے گی۔ اور حضرت امام باقر علیہ السلام یہ حدیث پڑھ کر بعد میں اسی آیت مجیدہ کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[18]

علامہ فرات بن ابراہیم کوفی لکھتے ہیں کہ میدان حشر میں بی بیؑ فرمائیں گی

میں اپنے فرزندوں، اپنی اولاد، اور جن نے ان سے میرے بعد محبت کی اور ان کی حفاظت کی، کی سفارش کرتی ہوں۔۔۔ اللہ تعالیٰ اس سے وحی کرے گا، میں نے سیدہ علیہا السلام کی تمام سفارشات منظور کر لیں، خواہ اس کے فرزندوں کے بارے میں، خواہ اس کی اولاد کے بارے میں، اور خواہ آپ کے بعد ان سے محبت کرنے والا اور حفاظت کرنے والا ہو۔[19]

تفسیر نمونہ میں اس آیت کی تفسیر میں طویل بحث کی گئی ہے اور یہ لکھا گیا

---

[18] تفسیر انوار لنجف فی اسرار المصحف، جلد 13، صفحہ 138، علامہ حسین بخش جاڑا
[19] تفسیر فرات، صفحہ 318، ترجمہ مولانا محمد شریف

یہ بھی ایک بہت بڑی نعمت ہے کہ انسان اپنی صاحبِ ایمان اولاد اور اپنے متعلقین کو جنت میں اپنے پاس دیکھے، اور ان سے اُنس کی بنا پر اُن سے لذت حاصل کرے، اور ان کے اعمال میں سے بھی کسی چیز کی کمی نہ کی جائے... ایسے افراد اگر عمل کے لحاظ سے کچھ کوتاہی اور تقصیرات بھی رکھتے ہوں تو خدا ان کے صالح آباؤ اجداد کے احترام میں انہیں (بخش دے) گا، اور ان کے مقام کو بلند کر دے گا، اور انہیں بھی ان کے درجہ تک پہنچا دے گا، اور یہ والدین اور اولاد کے لیے ایک عظیم نعمت ہے... بہرحال چونکہ اس اولاد کا ارتقاء والدین کے درجہ تک ممکن ہے تو اس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ ماں باپ کے اعمال اولاد کو دے دیئے جائیں گے لہذا اس کے بعد یہ بیان ہوا ہے کہ وما التناہم من عملھم من شئ۔ ہم ان کے عمل میں سے کسی چیز کی کوئی کمی نہیں کریں گے۔[20]

اہل سنت والجماعت کی تفسیریں ایک الگ فکر و عمل کی غمازی کرتی ہیں مگر مولانا مودودی اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں کہتے ہیں

اگر اولاد کسی نہ کسی درجۂ ایمان میں بھی اپنے آباء کے نقشِ قدم کی پیروی کرتی رہی ہو تو خواہ اپنے عمل کے لحاظ سے وہ اس مرتبے کی مستحق نہ ہو جو آباء کو ان کے بہتر ایمان و عمل کی بنا پر حاصل ہو گا، پھر بھی یہ اولاد اپنے آباء کے ساتھ ملا دی جائے گی۔ اور یہ ملانا اُس نوعیت کا نہ ہو گا جیسے وقتاً فوقتاً کوئی کسی سے جا کر ملاقات کر لیا کرے، بلکہ اس کے لیے اَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جن کے معنی یہ ہیں کہ وہ جنت میں اُن کے ساتھ ہی رکھے

[20] تفسیر نمونہ صفحہ 43

جائیں گے۔اس پر مزید یہ اطمنان دلایا گیا ہے کہ اولاد سے ملانے کے لیے آباء کا درجہ گھٹا کر انہیں نیچے نہیں اتارا جائے گا، بلکہ آباء سے ملانے کے لیے اولاد کا درجہ بڑھا کر انہیں اوپر پہنچا دیا جائے گا۔[21]

پس ثابت ہے کہ ان آیات میں صرف بنی فاطمہ ہی کا ذکر ہے جن کی تکریم و تعظیم روزِ قیامت میں بھی قائم رہے گی، اب بھی جو شک و شبہ میں مبتلا رہے اور تاویلاتی فتاویٰ کے سحر میں مبتلا رہے اور یہ ہی مالا جپتا رہے کہ کسی کا نسب کوئی فائدہ نہیں دے گا فقط تقویٰ ہی کام آئے گا، یا یہ گمان رکھے کہ ذریت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کوئی اور اس آیت کے مصداق قرار پا کر جنتی ہوں جائیں گے تو اپنے دین و ایمان کی خیر منائے، اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمتی اور زریّت رسول اللہ میں فرق کو اظہر من الشمس کر دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا[22]۔ اور کسی مومن و مومنہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو اپنے امور میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہی کھلی گمراہی میں ہو گا۔ ایسے لوگوں کو یہ فیصلہ بھی کرنا ہو گا کہ کیا نسبی طور پر ایک جنتی مومِنہ مستور کا کفوٗ غیر جنتی فرد ہو سکتا ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی لئے فرمایا ہے بناتِنَا لِبَنِيْنَا وَ بُنونَنَا لِبَنَاتِنَا۔ ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لئے اور ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کے لئے ہیں۔ جو لوگ دشمنانِ اہل بیت کی ایجاد یعنی فن اسماء الرجال کے بل پر اس

---

[21] تفہیم القرآن، جلد 5، صفحہ 168
[22] سورہ الاحزاب، آیت 36

حدیث مبارکہ کو ضعیف، مرسل، یا منقطع کہتے ہیں یہ دیکھ لیں کہ اس حدیث کا مطن قرآن اور دیگر احادیث رسول سے مطابقت رکھتا ہے، ہم اس حدیث پر ایک دیگر اعتراض کے بارے میں آئندہ صفحات میں بحث کریں گے۔

وہ لوگ جو سادات کرام کی حُرمت کو زائل کرتے ہیں اور اِن کو نسبی فضائل سے محروم ظاہر کرنے کے لئے اپنے ظنّی علوم کے سہارے مختلف تاویلات پیش کرتے ہیں اور دبے لفظوں میں کہتے ہیں کہ بد اعمال سادات حضرت نوحؑ کے بیٹے کی طرح لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ۔ یعنی اہل سے خارج ہو جاتے ہیں، ان احباب کو اس آیہ مبارکہ کے سیاق و سباق کو مدِ نظر رکھتے ہوئے الفاظِ قرآنی کے متعلق لب کشائی کرنا چاہیئے وگرنہ وہ قرآن مجید کی تحریف معنوی اور تفسیر بالرائے کے مرتکب ہوتے ہیں اوران کے نتیجہ کی تطبیق بھی بد اعمال سادات پر محض قیاس کی سطح سے بلند نہیں، آیت مبارکہ یہ ہے

قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ[23]۔

(اللہ نے) فرمایا اے نوح تحقیق وہ نہیں تھا تیرے اہل سے تحقیق اس کا عمل نادرست تھا پس نہ مانگ مجھ سے وہ جو نہیں تجھے اس کا علم تحقیق میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ مت ہو جا ظالموں میں سے۔

علامہ جاڑا اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں حضرت نوح علیہ السلام کی یہ درخواست اس بنا پر تھی کہ ان کا بیٹا منافق تھا اور ظاہراً مومنوں میں داخل تھا[24]۔ پس ثابت ہوا کہ

---

[23] سورہ ھود، آیت 46

[24] تفسیر انوار لنجف فی اسرار المصحف، جلد 7، صفحہ 217، علامہ حسین بخش جاڑا

لَیْسَ مِنْ أَهْلِکَ وہ ہوتا ہے جو منافق ہو اور نبی بر حق کو صریحاً یا خفیاً جھٹلائے کہ جس کی طرف اس آیہ میں عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں ہے جو بھی شخص اس فعل کا مرتکب ہو وہ اہل سے کٹ جاتا ہے، وہ سیّد جو دین بر حق، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آیمہ طاہرینؑ اور ولائتِ امیر المومنینؑ پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنی بعض بد اعمالیوں اور بے عملی کی وجہ سے ذنبی تو ہو سکتا ہے مگر اہل سے نہیں کٹتا، ایسے سیّد پر ان الفاظ کو قیاس کرنا تحریف معنوی ہے، روایت میں ملتا ہے کہ حسین بن حسن نامی ایک سیّد' امام صادق علیہ السلام کے پوتوں میں سے تھا، اُس کا کردار اچھا نہیں تھا اور ظاہراً شراب نوشی کرتا تھا، ایک دن وکیل او قاف احمد بن اسحاق کے گھر کسی کام سے گیا لیکن احمد نے اسے بد کردار جانتے ہوئے ملنے سے انکار کر دیا کچھ عرصہ بعد احمد سامرہ گیا اور حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے درِ اقدس پر حاضر ہوا لیکن امام نے باریابی کی اجازت نہ دی، بہت غمزدہ ہوا تاہم اس کے اصرار پر اجازت مل گئ تو عرض کیا کہ حضور آپ نے پہلے مجھے شرفیابی کی اجازت کیوں نہیں دی حالانکہ میں آپ کے دوستوں اور شیعوں میں سے ہوں، امام نے جواب دیا کہ تو نے ہمارے ایک چچازاد سیّد کو ملنے سے انکار کر دیا تھا، اسحاق رونے لگا اور کہا کہ ایسا تو اس لئے کیا تھا کہ وہ شراب نوشی سے توبہ کرے، جس پر امام نے فرمایا

صدقت ولکن لا بدعن اکرامهم و احترامهم علی کل حال و ان لا تحقیرهم ولا تستهین بهم الینا فتکون من الخاسرین [25]۔ تم سچ کہتے

---

[25] القطرہ، جلد ۱، صفحہ ۲۱۱، آیت اللہ سید احمد مستنبط

ہو لیکن ہر حال میں ان کا اکرام و احترام کرنا ضروری ہے ان کو حقیر نہ سمجھنا، ان کی اہانت نہ کرنا کیونکہ ان کا نسب ہماری طرف ہے ورنہ خسارہ اٹھانے والوں میں ہو جاؤ گے۔

اب آیئے ان الفاظ کی طرف جن کے گھماؤ پھراو سے حاسدین اپنی حسب منشا مفہوم نکالتے ہیں، ہماری مراد آلِ محمدﷺ، اہل بیتِ نبیؐ ذریتِ محمدﷺ عترتِ محمدﷺ کے لفظوں سے ہے۔ جس جگہ بھی یہ الفاظ آئے ہیں سادات کی حرمت کو زائل کرنے کے لئے یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ اس سے تو مراد فقط آئمہ معصومین علیہم السلام ہیں، غیر معصوم افراد کا ان محاسن سے کیا لینا دینا۔ ہٹ دھرمی بے علمی کا نتیجہ ہوتی ہے اور جو سمجھ کر بھی نہ سمجھے وہ مرضِ لاعلاج میں مبتلا ہوا کرتا ہے۔ شیخ صدوق علیہ الرحمہ اپنی اُس کتاب میں کہ جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے امام زمانہ علیہ السلام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے حکم پر لکھی ہے فرماتے ہیں پس آل کے معنی ہیں کسی بھی شخص کے اہل میں سے ہر وہ فرد جس کا نسب میں اس سے تعلق ہو[26]۔

شیخ صدوق ایک دوسری جگہ قولِ امام نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں

آل کا لفظ اہل خاندان کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ مگر یہ کہ مجاز کے لئے کوئی دلیل ہو۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ آل سے مراد بیٹے ہیں۔۔۔ پس اہل سے مراد ذریّت میں کسی شخص کی اولاد اس کے باپ کی اولاد اور قریب ترین جد کی اولاد ہے[27]۔

---

[26] اکمال الدین و تمام النعمه، جلد 1، صفحہ 264
[27] اکمال الدین و تمام النعمه، جلد 1، صفحہ 266

یہی نہیں وہ اپنی ایک دیگر کتاب میں عترت و آل اور اہل بیت کی تعریف میں ایک اور قولِ امام نقل کرتے ہیں

ابو بصیر روایت کرتے ہیں حضرت ابو عبداللہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہ میں نے جناب سے عرض کیا: آل محمدؐ کون ہیں؟ آپ علیہ السلام نے فرمایا: "آپؐ کی ذریّت"۔ پس میں نے عرض کیا: اہل بیتؑ کون ہیں؟ آپ نے فرمایا: "آئمہ جو کہ اوصیاء ہیں"۔ پھر میں نے عرض کیا، عترت سے کون مراد ہیں؟ آپؑ نے فرمایا: "اصحاب عباء" (پنجتن اصحاب کساء)۔[28]

ان اقوال کی روشنی میں یہ ظاہر و ثابت ہے کہ آلِ محمدؐ سے مراد آپؐ کی تمام ذریّت یا اولاد مراد ہے نہ کہ صرف آئمہ معصومین علیہم السلام۔ بعض حضرات معترض ہیں کہ غیر معصوم سادات آلِ محمدؐ میں شامل نہیں کہ درود و سلام کے مستحق صرف معصومینؑ ہیں دلیل یہ ہے کہ آل کے مصداق معصوم افراد ہیں کیونکہ اصطفاء غیر معصوم کا نہیں ہو سکتا[29]۔ نیز اُن کے نزدیک آیہ مبارکہ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ[30]۔ یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ لوگ ملائکہ سے افضل ہیں کیونکہ ان کو عالمین پر چنا گیا ہے اور فرشتے عالمین میں داخل ہیں[31]۔ یہ تاویل و تعبیر اوپر بیان شدہ احادیثِ امامؑ سے صریحاً متصادم ہے، امام

---

[28] معانی الاخبار، صفحہ 136
[29] تفسیر انوار النجف، جلد 15، صفحہ 6
[30] سورہ آل عمران، آیت 33
[31] تفسیر انوار النجف، جلد 3، صفحہ 218

جعفر صادق علیہ السلام نے آل میں ذریّت رسولؐ کو داخل بیان کیا ہے اور ذریّت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام معصوم و غیر معصوم اولاد شامل ہے جس پر قرآنِ مجید کی یہ آیت ناطق ہے

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُواْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ[32]

اور جب تمہارے پروردگار نے فرزندانِ آدم کی پشتوں سے انکی ذرّیت کو لے کر اُنھیں خود ان کے اوپر گواہ بنا کر سوال کیا کہ کیا میں تمھارا خُدا نہیں ہوں تو سب نے کہا بیشک ہم اس کے گواہ ہیں، یہ عہد اس لئے لیا کہ روزِ قیامت نہ کہہ سکو کہ ہم اس عہد سے غافل تھے

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی قیامت تک آنے والی تمام اولاد کے لئے (ابن) اور (ذریت) کے لفظ استعمال کئے ہیں، آیت کے الفاظ مِن ظُهُورِهِمْ وأَصْلاَبِکُم بتارہے ہیں کہ ذریّتِ آدم کو صُلب آدم سے اُس ترتیب سے ظاہر کیا گیا کہ جس طرح انہیں دنیا میں ظاہر ہونا تھا یعنی باپ کی پشت سے بیٹا اور بیٹے کی پشت سے پوتا اور پوتے کی پشت سے پڑپوتا اور یہ سلسلہ تا آخر نسل آدم یعنی قیامت تک آنے والی اولاد تک پہنچا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولاد پر بھی ذریّت کا یہ ہی قرآنی مفہوم تا آخرِ نسب برقرار رہنا ہے، پس صادقِ آلِ محمدؐ کا آلِ رسولؐ کو ذریتِ رسولؐ قرار دینا یہ ثابت کرتا ہے کہ آل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام معصوم و غیر معصوم اولاد شامل ہے، ذریت

---

[32] سورہ اعراف، آیت 172

کے مفہوم کے لئے کئی آیات قرآن میں ہیں اس آیت مبارکہ کو دیکھ لیجئے جس میں ذریت سے اولاد ہی مراد لیا گیا ہےوَالَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا[33]۔اور وہ لوگ برابر دعا کرتے رہتے ہیں کہ خدایا ہمیں ہماری ازواج اور اولاد کی طرف سے خنکئ چشم عطا فرما اور ہمیں صاحبانِ تقویٰ کا پیشوا بنا دے۔ لہذا اس کے معارض کوئی بھی مفہوم باطل اور نا قابلِ قبول ہے۔

جہاں تک اس دلیل کا تعلق ہے کہ اصطفاء غیر معصوم کا نہیں ہو سکتا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو عالمین پر فضلیت کے باعث ملائکہ سے بھی افضل ہیں اس کی رد میں تو قرآنِ مجید میں نہایت ہی واضح و محکم ارشاد موجود ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ[34]

اے بنی اسرائیل ان نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے تمہیں عنایت کی ہیں اور جن کے طفیل تمہیں عالمین پر فضیلت عطا کی

اب اس دلیل پر ایمان رکھنے والے بتائیں کہ کیا سارے بنی اسرائیل معصوم تھے؟ ہر گز نہیں! تو پھر اللہ تعالیٰ انہیں بغیر کسی معصوم و غیر معصوم کی تخصیص کے عالمین پر کہ جس میں ملائکہ بھی شامل ہیں فضیلت دے رہا ہے تو آپ کو کیوں اعتراض ہے؟ علامہ جاڑا جیسے عالم دین کے لئے تو میں کہوں گا کہ انہیں آل کے مفہوم میں اشتباہ ہوا

---

[33] سورہ فرقان، آیت 74

[34] سورہ البقرہ، آیت 122

ہے مگر دیگر معترضین کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی یہ حدیث مبارکہ پیش خدمت ہے۔ آپؐ فرماتے ہیں لوگوں پر تعجّب ہے کہ آلِ ابراہیم و آل عمران کے ذکر سے تو خوش ہوتے ہیں مگر آلِ محمدؐ کے ذکر سے ان کے دل گھٹتے ہیں[35]۔

غور کیجیئے کہ اللہ تعالیٰ حکیمِ مطلق اور قادرِ مطلق ہے جب وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو اولادِ نرینہ دینے پر قدرت رکھتا تھا تو کیا وہ اسے زندہ رکھنے پر قادر نہ تھا؟ اسی طرح وہ چاہتا تو ذریّتِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم کو بھی صرف معصومین تک ہی محدود رکھ سکتا تھا وہ بھی ایسی صورت میں کہ جب امام زمانہ علیہ السلام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کو آخری زمانہ تک اس دنیا میں زندہ و محفوظ رکھے ہوئے ہیں، تو پھر غیر معصوم اولاد رسولؐ کو خلق کرنے کی کیا وجہ و ضرورت ہے؟ مومنین کو ان امور پر تدبر کرنا چاہئے اور دیکھنا اور سمجھنا چاہئے کہ غیر معصوم اولادِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم بھی ہرگز بلّا حکمت و مقصدِ ربّانی نہیں ہو سکتی کیونکہ حکیم مطلق کا فعل بغیر حکمت نہیں ہوا کرتا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی آل یا ذریّت میں تین قسم کے اولاد شامل ہے۔

1. عصمتِ کبریٰ پر فائز حستیاں
2. عصمتِ صغریٰ کی مالک شخصیات، اور
3. شرف نسبی کی حامل غیر معصوم اولاد

حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے دین الٰہیہ انسانوں تک پہنچایا اور حق و باطل حلال و حرام کی الگ الگ اور واضح پہچان کرادی، عصمت کبریٰ پر فائز اولادِ رسول صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے اس

[35] تفسیر انوار النجف، جلد 15، صفحہ 10

دین کو بچانے کے لیے ہر سرد و گرم میں عَلم حق و صداقت بلند رکھااور حق و باطل اور حلال و حرام کو دوبارہ خلط ملط نہ ہونے دیا، عصمتِ صغریٰ کی حامل اولاد نے آئمہ معصومین کی امداد و نصرت میں خونچکاں حالات کی زرا بھی پرواہ نہیں کی اور اپنی ہر شئے اس حکمِ امامؑ و دین پر قربان و نثار کر دی، امام زمانہ علیہ السلام عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی غیبتِ کبریٰ کے اس زمانہ میں جو کہ زمانۂ جہالتِ ثانیہ ہے نبی اکرمؐ کی غیر معصوم اولاد میدان عمل میں ہے،وہ صرف نسبتِ رسول اور اجداد کی اتباعِ ایمان و عمل میں زمانے کی ستم ظریفیاں جھیل رہی ہے، یہ ہی إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ کی تفسیر ہیں' یہ ہی آثار اہل بیت نبوۃ ہیں، اور یہ ہی اس زمانہ میں پتہ ہیں اُس ہادی مرسؐل کا کہ جسے اب ایک افسانوی کردار ثابت کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، یہ ہی ہیں جو فقط اپنی ذات میں دشمنانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی اس جسارت کا دندان شکن جواب ہیں، یہ زمانہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمانوں کا فقط ایک دیومالائی (Mythological) تصور قرار دینے پر تیار کھڑا ہے۔ہالینڈ کا ایک عصری اسلامی نظریات کا پروفیسر جوہینس جانسن(Johannes J. G. Jansen) حال ہی میں طبع ہونے والی ایک انگریزی کتاب کے ابتدائیہ میں لکھتا ہے

Nevertheless, it is reasonable to have doubts about Muhammad's historicity. To begin, there are no convincing archaeological traces that confirm the traditional story of Muhammad and early Islam. The scholars and scribes of Islam know an awful lot about the religion's early decades ---but what they recount finds no confirmation in physical remains of any kind

from the period and places concerned. What they know is limited to stories, and to the same stories retold.[36]

اگرچہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تاریخی حیثیت پر شک و شبہات ایک معقول بات ہے اس کو یہاں سے شروع کیا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی یقین افزاء تاریخی آثار (آثار قدیمہ) نہیں ملتے جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور اوائل اسلام کی روائتی کہانی کو ثابت کر سکیں۔ اسلامی اسکالر اور مصنفین مذہب کے ابتدائی عشروں کے متعلق بہت کچھ جانتے ہیں...... لیکن وہ جو کچھ بھی بیان کرتے ہیں اُس کی تصدیق کے لئے متعلقہ ادوار اور مقامات سے کوئی بھی ظاہری آثار نہیں ملتے۔ ان کا علم فقط کہانیوں اور انہی کہانیوں کے بار بار دہرائے جانے تک ہی محدود ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور دین اسلام پر اس طرح کے حملے اُس وقت زیادہ حیرت میں مبتلا نہیں کرتے جب ملوکیت کے زر خرید مورّخ کی گمرہ کن تاریخ نویسی اور مفاد پرست ٹولے کی خود ساختہ احادیث ساز فیکٹریوں پر نگاہ پڑتی ہے، جب نائب رسول کی نشت پر ایسے فراد کو متمکن دیکھتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ بنوہاشم نے اقتدار کے لئے سب ڈھونگ رچا تھا، جب اولادِ رسول کو کربلا کے ریگزاروں میں خون میں لت پت دیکھتے ہیں، اس کے بعد صدیوں تک جاری رہنے والی سادات بنی فاطمہ کی نسل کشی اور اجدادِ باصفا کی بے مثل و بے نظیر قربانیاں ہمیں خون کے آنسو رُلا دیتی ہیں۔ دوسری طرف ناصبی ٹولہ شرک وبدعت کے نام پر نہ صرف دین کی ہیت بگاڑنے میں مصروف ہے بلکہ تمام ظاہری آثار اور شائر اللہ کو اسلام کے نام پر ہی بے دریغ مٹاتا چلا آرہا ہے نہ مسجد بچی ہے اور نہ مکہ و مدینہ میں بنی ہاشم کے گھر اور محلے، حتیٰ کہ قبریں تک

[36] DidMuhammadExist? ByRobertSpencer,Page10,NewYork,2012

ڈھا دی گئیں کہ مدفون کی پہچان ہی باقی نہ رہے۔ ایسے عالم میں فقط اور فقط یہ غیر معصوم ساداتِ بنی فاطمہ ہی ہیں جن کا وجود بغیر کسی عمل و ثواب کی احتیاج کے اس زمانہ بے ثباتی میں ٹھوس و حقیقی واسطہ اور آثار و دلیل بن کر ثابت کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ دیومالائی تصور نہیں بلکہ ایک ابدی حقیقت ہیں، اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے مومنین سے کہا ہے کہ اکرِموا اَولادیَ الصالِحُونَ لِلّٰہِ والطَّالِحُونَ لی۔ میری نیک اولاد کا اکرام و عزت خُدا کے لئے کرو اور میری گناہگار اولاد کا اکرام و عزت میرے لئے کرو[37]۔ اُمت تو ساداتِ بنی فاطمیہ پر درود و سلام بھیجنے پر معترض ہے مگر اے شہزادی کونین علیہا السلام شاید آپ اسی لئے قیامت تک آنے والی اپنی اولاد کو یہ وقتِ رخصت بہ دستِ امیر المومنین علیہ السلام سلام بھیج گئی ہیں۔

اے بی بیؑ اپنی ذریت میں سے اس گدائے بے گلیم کا سلام بھی قبول فرمائیے:

اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا بِنْتَ رَسُولِ اللّٰہ اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا بِنْتَ نَبِيِّ اللّٰہ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا بِنْتَ حَبِيبِ اللّٰہ اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا بِنْتَ خَلِيلِ اللّٰہ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا بِنْتَ صَفِيِّ اللّٰہ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا بِنْتَ أَمِينِ اللّٰہ اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا بِنْتَ خَيْرِ خَلْقِ اللّٰہ اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا بِنْتَ أَفْضَلِ أَنْبِيَاءِ اللّٰہ وَرُسُلِهِ وَمَلَائِكَتِهِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا بِنْتَ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا سَيِّدَةَ نِسَاءِ الْعَالَمِينَ مِنَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا زَوْجَةَ وَلِيِّ اللّٰہ وَخَيْرِ الْخَلْقِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰہ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ يَا أُمَّ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ سَيِّدَيْ شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ أَيَّتُهَا الصِّدِّيقَةُ الشَّهِيدَةُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ أَيَّتُهَا الرَّضِيَّةُ الْمَرْضِيَّةُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ أَيَّتُهَا الْفَاضِلَةُ الزَّكِيَّةُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ أَيَّتُهَا الْمُحَدَّثَةُ الْعَلِيمَةُ اَلسَّلَامُ عَلَيْکِ أَيَّتُهَا الْمَظْلُومَةُ

[37] نہج السادات، صفحہ ۱۳۳، علامہ سید نثار عباس نقوی

الْمَغْصُوبَةُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ أَيَّتُهَا الْمُضْطَهَدَةُ الْمَقْهُورَةُ، اَلسَّلَامُ عَلَيْكِ يا فاطِمَةُ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكاتُهُ۔ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْكِ وَعَلَى رُوحِكِ وَبَدَنِكِ أَشْهَدُ أَنَّكِ مَضَيْتِ عَلَى بَيِّنَةٍ مِنْ رَبِّكِ وَأَنَّ مَنْ سَرَّكِ فَقَدْ سَرَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَمَنْ جَفَاكِ فَقَدْ جَفَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَمَنْ آذاكِ فَقَدْ آذى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ، وَمَنْ وَصَلَكِ فَقَدْ وَصَلَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَمَنْ قَطَعَكِ فَقَدْ قَطَعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ لِأَنَّكِ بِضْعَةٌ مِنْهُ وَرُوحُهُ الَّذِي بَيْنَ جَنْبَيْهِ، أُشْهِدُ اللّٰهَ وَرُسُلَهُ وَمَلائِكَتَهُ أَنِّي راضٍ عَمَّنْ رَضِيتِ عَنْهُ ساخِطٌ عَلَى مَنْ سَخِطْتِ عَلَيْهِ، مُتَبَرِّئٌ مِمَّنْ تَبَرَّأْتِ مِنْهُ، مُوالٍ لِمَنْ وَالَيْتِ، مُعادٍ لِمَنْ عادَيْتِ ، مُبْغِضٌ لِمَنْ أَبْغَضْتِ، مُحِبٌّ لِمَنْ أَحْبَبْتِ، وَكَفَى بِاللّٰهِ شَهِيداً وَحَسِيباً وَجازِياً وَمُثِيباً۔

آپ پر سلام ہوا ے رسول (ص) خدا کی دختر آپ پر سلام ہوا ے اللہ کے نبی (ص) کی بیٹی آپ پر سلام ہوا ے اللہ کے حبیب کی دختر آپ پر سلام ہوا ے خدا کے خلیل کی دختر آپ پر سلام ہوا ے خدا کے برگزیدہ کی دختر آپ پر سلام ہوا ے امین اللہ کی دختر آپ پر سلام ہوا ے مخلوق خدا میں سے بہترین کی دختر آپ پر سلام ہوا ے نبیوں رسولوں اور فرشتوں سے برتر ہستی کی دختر آپ پر سلام ہوا ے بہترین مخلوق کی دختر آپ پر سلام ہوا ے جہان میں ﴿اولین و آخرین﴾ سبھی عورتوں کی سیدہ و سردار آپ پر سلام ہوا ے خدا کے ولی کی زوجہ جو رسول (ص) کے بعد ساری مخلوق میں بہترین ہیں آپ پر سلام ہوا ے حسن (ع) و حسین (ع) کی والدہ جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں آپ پر سلام ہو کہ آپ صدیقہ و شہیدہ ہیں آپ پر سلام ہو کہ آپ خدا سے راضی اور خدا آپ سے راضی ہے آپ پر سلام ہو کہ آپ فضیلت والی اور پاکیزہ ہیں آپ پر سلام ہوا ے وحی کی رازداں علم و دانش والی آپ پر سلام ہوا ے بی بی جس پر ظلم ہوا جس کا حق چھینا گیا آپ پر سلام ہوا ے ستم کشیدہ۔ اور حاکموں کا قہر دیکھنے والی آپ پر سلام ہوا ے اللہ کے رسول کی دختر فاطمہ زہرا (ع) آپ پر اللہ کی رحمت

وبرکات ہوں آپ پر اور آپکی روح اور آپ کے جسم پر خدا رحمت فرمائے میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ نے خدا کی طرف سے روشن دلیل پر زندگی گزاری ہے بیشک جس نے آپ کو خوش کیا اس نے رسول (ص) کو خوش کیا، خدا ان پر اور انکی آل (ع) پر رحمت کرے اور جس نے آپ پر ظلم کیا اس نے رسول اللہ (ص) پر ظلم کیا اور جس نے آپ کو اذیت دی اس نے رسول اللہ (ص) کو اذیت دی، جو آپ کے ساتھ ہوا وہ رسول اللہ (ص) کے ساتھ، اور جو آپ سے جدا ہوا وہ رسول اللہ (ص) سے جدا ہوا، اس لیے کہ آپ ان کی گوشئہ جگر اور ان کی روح ہیں جو انکے بدن میں ہے میں اللہ اسکے رسولوں اور فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں کہ میں خوش ہوں اس سے جس سے آپ خوش ہیں اور خفا ہوں اس سے جس سے آپ خفا ہیں دور ہوں اس سے جس سے آپ دور ہیں ساتھی ہوں اسکا آپ جس کیساتھ ہیں دشمن ہوں اسکا جو آپکا دشمن ہے نفرت کرتا ہوں اس سے جس سے آپ کو نفرت ہے چاہتا ہوں اسے جس کو آپ چاہتی ہیں اور اللہ گواہی میں، حساب، سزا اور جزا دینے میں کافی ہے۔

باب سوئم

کفوٴ

ازدواجِ اسلامی میں کفوٴ شرط اولین کا درجہ رکھتا ہے، شادی ایک نہایت ہی اہم معاشرتی اور مذہبی عمل ہے، قرآن و حدیث میں شادی کے لئے ایک تسلسل سے احکامات موجود ہیں، اسی عمل سے اللہ تعالیٰ نے انسان کی افزائشِ نسل کو مشروط کرتے ہوئے اسے شاخوں اور قبیلوں میں قرار دیا ہے، حضور اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے

> مومن کو کون سے چیز اس بات سے مانع ہے کہ وہ نکاح کرے، شاید اسے خداوند تعالیٰ ایسا فرزند عطا کرے جو زمین کو کلمۂ لا الہ الا اللہ سے سے زینت دے [1]۔

امام علی ابن حسین الساجدین علیہ السلام کی روایت ہے

> اگر کوئی شخص خوشنودی خدا اور اولاد کے لئے شادی کرے تو قیامت کے روز اس کے سر پر ایسا تاج ہوگا جس سے وہ بادشاہ معلوم ہوگا [2]

نکاح سے متعلق معصومینؑ کے ارشادات کلام الہیہ کی تشریح و توضیح ہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے یَا أَیُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَی [3]۔ اے انسانو! ہم نے تم کو ایک

---

[1] تہذیب السلام، صفحہ 101

[2] اولاد المومنین و وظائف المتقین، صفحہ 308

[3] سورہ الحجرات، آیت 13

مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ پھر کہا گیا وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا [4] ۔اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دیئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ لیکن احسن الخالقین انسانی سرشت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ [5]۔ بیشک تم میں سے خُدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا اور باخبر ہے۔ شعوب و قبائلِ انسانیہ میں سے اللہ تعالیٰ نے بعض نسلوں اور افراد کا انتخاب بھی کیا اور اُن پر اپنی فضیلتوں کا انعام جاری کیا وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ [6]۔ اور بعض کے درجات کو بعض سے بلند کیا، انسانوں کے خمیر ُمایہ میں پوشیدہ حسد اور لالچ کے میلانات کو جانتے ہوئے علیم و خبیر اللہ اُنہیں تنبیہ کرتا ہے کہ وَلاَ تَتَمَنَّوْاْ مَا فَضَّلَ اللّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ [7]۔اور خبردار جو خُدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیادہ دیا ہے اس کی تمنّا اور آرزو نہ کرنا۔

انسانی نسل کی ترویج کو خالق کائنات نے دیگر حیوانات کی طرح ایک نظام کے تحت رکھا ہے، انسانوں کے معاملہ میں شعوب و قبائل، معاشرتی زندگی، اور شعور کی اضافت دیگر جانداروں کی نسبت ایک جدت و امتیاز ہے جس کے تحت اصول و ضوابط سے مرد اور عورت کے ملاپ کو عمل حیوانیت سے ممتاز کیا گیا، خداوندِ عالم ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ حضرت انسان اُس کے مرتب کردہ نظامِ نسل و شعوب کو تہس نہس

[4] ایضاً
[5] ایضاً
[6] سورہ الانعام 165
[7] سورہ النسا، آیت 32

کرے چنانچہ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے فَانکِحُوھُنَّ بِاِذْنِ أَھْلِھِنَّ[8]۔ پس تم عورتوں سے ان کے اہل کی اجازت سے نکاح کرو۔ اسی حکم کا اِعادہ آنحضرت ﷺ نے بھی کیا اور عورتوں کے سرپرستوں اور اولیا سے کہا اذا جاء کم الاکفاء فانکحوھن[9]۔ جب تمھارے پاس کفؤ آئیں تو لڑکیاں بیاہ دو۔ پھر ارشادِ رسول اللہ ﷺ ہوتا ہے کہ اپنی بیٹی اپنے ہم کفؤ اور اپنے مثل کو دو[10]۔ امام علی نقی علیہ السلام سے حضور اکرم ﷺ کی ایک اور روایت نقل ہوئی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں اِذَا جاء کم مَنْ تَرْضَوْن خُلُقَہٗ و دِیْنَہ فزَوِّجُوْہُ اِلاّ تَفْعَلُوْہُ تکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ کَبیر۔ جب تمہارے پاس رشتہ کا کوئی ایسا پیغام آئے جس کی دینداری اور عمدہ اخلاق پر تمہیں اطمینان ہو تو شادی میں دیر نہ کرو، نہیں تو بڑا فساد پیدا ہو گا۔ فساد' اسلام کی ضد ہے، پس اسے دفعہ کرنا منشاء ربانی ہے، یہ اہتمام اسی لئے ہے کہ اسلامی معاشرہ صحت مندانہ روش پر گامزن رہے، قوموں اور نسلوں کی پہچان و تمیز باقی رہے، ظلم نہ ہو، اور احکامات دین کا پوری طرح نفاذ ہو سکے۔

سب جانتے ہیں کہ معاشرے انسانوں کے باہمی میل جول سے وجود میں آتے ہیں اور ان کی بنیادی اکائی گھر اور خاندان ہیں، خاندان کی بنیاد ایک مرد اور عورت کا باہمی ملاپ ہے، اسلام اس ملاپ کو عدل و مساوات پر اُستوار کرتا ہے، اگر اس ملاپ میں فساد و خرابی ہو گی تو معاشرہ کسی طور بھی ظلم و فساد سے خالی نہیں رہ سکتا، مناکحت کے معاملات میں کفوٴ وہ ذریعہ ہے جو عدل و انصاف کو انتہائی بنیادی سطح پر یقینی

---

[8] سورہ النساء 65
[9] کنز العمال، حدیث 4493، موسسۃ الرسالہ بیروت
[10] تہذیب السلام، ص 123، علامہ باقر مجلسی، ترجمہ مولانا سید مقبول احمد، لاہور

بناتا ہے اور مرد و عورت کے تعلقات میں توازن قائم کرتا ہے، لہذا کفوٗ کا التزام نہ رکھنا فاضل کو مفضول کے تسلط میں دینے کا موجب بنتا ہے جو کہ ظلم ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

قُلۡ هَلۡ يَسۡتَوِي الأَعۡمَى وَالۡبَصِيرُ أَمۡ هَلۡ تَسۡتَوِي الظُّلُمَاتُ وَالنُّورُ [11]۔

اور کہہ دیجئے کہ کیا اندھے اور بینا ایک جیسے ہو سکتے ہیں یا نور و ظلمت برابر ہو سکتے ہیں۔

علماء کرام انہی احکامات کی روشنی میں ایک اصول پر کاربند ہیں اور وہ یہ کہ الظلم وضع الشئ علی غیر محلہ یا فی غیر محلہ یعنی کسی شئ کو اس کے مقام سے ہٹانا یا ایسے مقام پر رکھنا جس کی وہ حقدار نہیں ظلم ہے۔ ظلم وہ فعل و عمل ہے جو کسی بھی شکل اور کسی بھی مقدار میں دین و شریعتِ محمدیؐ میں قطعاً قابلِ قبول نہیں، چنانچہ یہ ثابت ہے کہ کفوٗ کے اہتمام کے ساتھ نکاح ایک اہم دینی عمل ہے جس کا مقصد نسلِ انسانی کی آبیاری اور نسل و نسب کا تحفظ ہے اسی لیے زنا کو شدید حرام قرار دیا گیا ہے، نکاح کے بعد ولیمہ کا دستور رکھا گیا ہے تاکہ نکاح کی تشہیر ہو جائے اور اولاد کا نسب محفوظ ہو جائے، حضور اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے لوگ اپنے انساب کیساتھ محفوظ ہیں [12]۔ یہ سارے امور اور ان کا ماحصل کفوٗ کی اہمیت کو واضح و منکشف کرتا ہے ہر مومن مرد و عورت پر لازم ہے کہ وہ دیگر اسلامی عقائد و نظریات کی

---

[11] سورہ رعد، آیت 16

[12] کتاب المجدی فی انساب الطالبین

طرح کفوٗ کے درست اسلامی تصور (concept)، نسل، قبیلہ اور نسب کی تخلیق اوران کی غرض وغایت کو اچھی طرح فکر و تدبر سے سمجھے۔

کفوٗ۔ عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے، لیکن صورت حال اُس وقت پیچیدہ ہوتی ہے جب علماء کرام اور ماہرین زبان و ادب اور علم الانساب اس کے معنی ضرورتِ وقتی کے تحت موقع و محل کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسب خواہش تاویل کرتے ہیں، اس لفظ کے معنی عربی اور فارسی کی مشہور زمانہ لغت منتھی الارب في لغة العرب میں (همتا) و (مانند) اور (مثل) کے بیان ہوئے ہیں، کفوٗ کی جمع (اکفاء) لکھی گئی ہے، اسی سے دیگر الفاظ یعنی (ہم کفؤ) اور (بی کفؤ) بنائے گئے ہیں، بی کفؤ فارسی زبان میں بے نظیر اوربے مثل کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ علمائے امامیہ کفوٗ کی دو اقسام بیان کرتے ہیں یعنی کفوٗ شرعی اور کفوٗ عرفی۔ کفوٗ کے استنباط کے لئے کہا جاتا ہے کہ دین اسلام تمام نسلی تفاخرات، تعصبات، اور فضیلتوں کے نہ صرف خلاف ہے بلکہ ان کی پر زور انداز میں رد کرتا ہے چنانچہ علماء کرام افراد کے نسب و نسل، معاشرتی مقام، تعلیم، شکل و صورت اور معاشرتی حیثیت کو کفوٗ عرفی میں داخل کرتے ہیں، کفوٗ شرعی کو فقط افراد کے ایمان اور اعلیٰ اخلاق تک ہی محدود رکھا گیا ہے، مناکحت میں کفوٗ شرعی کو واجب قرار دیا جاتا ہے اور کفوٗ عرفی کی رعائت کو نہ واجب سمجھا گیاہے اور نہ ہی اس کی مخالفت حرام قرار دی گئی ہے۔ اس ضمن میں امام علی نقی علیہ السلام کی مندرجہ ذیل حدیث اِذَا جاء کم مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهٗ و دِيْنَه فَزَوِّجُوْهُ اِلاَّ تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِی الْاَرْضِ وَ

فَسَادٌ کَبِیر کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خم غدیر میں بیان کسی گورے کو کالے پر اور کسی عربی کو عجمی پر کوئی فصیلت حاصل نہیں کا حوالہ دیتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ اسلام حسب و نسب کی تمیز روا نہیں رکھتا اس لئے سب برابر ہیں اور ان کی فضیلت کا دار و مدار فقط ایمان و تقویٰ پر ہے، فارسی کا یہ جملہ علماء کرام اکثر بیان کرتے ہیں چون اجماع فقھا بر این است کہ در ازدواج، کفائت بہ معنای تساوی در اسلام، یعنی فقہا کا مناکحت کے ذیل میں اجماع ہے کہ کفائت کے معنی اسلام میں برابری کے ہیں۔ چنانچہ آیت اللہ سیستانی فرماتے ہیں

المسلم کفؤ المسلمۃ والمؤمن کفؤ المؤمنۃ شرعاً[13]۔

شرعی طور پر مسلمان مرد مسلمان عورت کا اور مومن مرد مومنہ عورت کا کفوٴ ہیں۔

مرحوم آیت اللہ فاضل لنکرانی کہتے ہیں

ازدواج زن مسلمان با غیر مسلمان صحیح نیست و ازدواج زن شیعہ با مرد سنی مکروہ است

یعنی مسلمان عورت کا غیر مسلمان کے ساتھ نکاح صحیح نہیں اور شیعہ عورت کا سنی مرد سے نکاح مکروہ ہے۔

آیت اللہ مکارم شیرازی فرماتے ہیں

ازدواج مسلمان با غیر مسلمان جائز نیست و ازدواج مردان شیعہ با زنان اهل سنت اشکالی ندارد؛ ولی ازدواج زنان شیعہ با مردان اهل سنت با توجہ بہ خطر انحراف مذهبی اشکال دارد.

---

[13] منهاج الصالحین، جلد سوم، الفصل الرابع، مسئلہ نمبر 221

یعنی مسلمان کا غیر مسلمان کے ساتھ نکاح جائز نہیں اور شیعہ مرد کے سنی عورت کے ساتھ نکاح میں اشکال نہیں ہے، لیکن شیعہ عورت کے اہل سنت مرد کے ساتھ نکاح میں اگر خطرہ ہو کہ عورت مذہب (امامیہ) سے منحرف ہو سکتی ہے تو اشکال ہے۔

علامہ حلیؒ فرماتے ہیں

نکاح میں کفوٴ یعنی برابری ہونا شرط ہے اور کفوٴ اسلام میں برابر ہونے کو کہتے ہیں اور آیا ایمان میں بھی برابر ہونا شرط ہے اس میں دو روایتیں ہیں اور ان دونوں میں اظہر یہ روایت ہے کہ اسلام کی برابری کافی ہے گو ایمان کی برابری موکدہ سنت ہے[14]۔

چنانچہ اسی اصول کی بنیاد پر علامہ حلّی کہتے ہیں ویجوز نکاح الحرة العبد والعربیّة العجمّی والھاشمّی غیرالھاشمّی۔ یعنی آزاد عورت کا غلام مرد اور عربی عورت کا عجمی مرد اور ہاشمی عورت کا غیر ہاشمی مرد کے ساتھ نکاح درست اور صحیح ہے۔ علامہ حلیؒ معتبراتِ نکاح میں فقط دو ہی چیزوں کو قرار دیتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ نکاح میں دو چیزیں معتبر ہیں الایمان وامکان القیام بالنفقه یعنی ایمان اور روزگار۔

قارئین کرام! یہاں تک تو ہم نے کفوٴ کے مروجہ معنی اور علماء و مراجعؒ کرام کا قرآن و حدیث سے استنباط، تاویلات اور دلائل کو بیان کیا ہے تاکہ صورتِ حال واضح ہو جائے، آپ نے نوٹ کیا ہو گا کہ ہم نے اس باب کے شروع میں کفوٴ سے متعلق جو تمہیداً معروضات پیش کی ہیں علماء کی تعبیرات ایک حد تک اُن سے متصادم و

[14] شرائع الاسلام المعروف جامع الجعفری، صفحہ 598، جلد اول، مصنف علامہ حلی

متضاد ہیں۔ اب ہم علماء وفقہاء کے مندرجہ بالا بیانات کا تجزیاتی مطالعہ کرتے ہیں اور قرآن، حدیث، روایات، اور منطقی دلائل کی روشنی میں اپنی معروضات کو ثابت کریں گے، مگر اس سے پہلے کہ تجزیہ و تحلیل شروع کریں یہ ذہن نشین رہے کہ سیّد زادی فاطمیہ کے غیر سیّد مرد سے مناکحت کے مسئلہ کو پیچیدہ بنانے میں غیر شیعہ مکاتبِ فکر کے تصورات، خیالات، اور نظریات کا ایک بہت بڑا ہاتھ کار فرما ہے، سینکڑوں برس کے ظلم و ستم، قرآن مجید کی معنوی تحریف، حدیث سازی اور ان احادیث کا پرچار، حقیقی اسلامی نظریات کا اخفاء، اور اہل تشیع کے راویوں، علماء کرام اور محققین کا بائیکاٹ ایک ایسے دین کا موسس بنا جس کا نام تو بظاہر اسلام ہی ہے مگر اندر سے سقیفائی اور سفیانی ہے، یورپ کا ایک مشہور تاریخ دان ایڈورڈز گبن (Edwards Gibbon) اس کی نشاندہی یوں کرتا ہے

> The persecutors of Mohomet (Mohammad) usurped the inheritance of his children, and the champions of idolatry became the superme heads of his religion and empire[15]
>
> حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسلسل اذیتیں پہنچانے والوں نے ان کے بچوں کا ورثہ غصب کیا اور بُت پرستی کے چیمپین آپؐ کے مُلک و مذہب کے حاکمِ مطلق بن بیٹھے۔

علمائے امامیہ نے انتہائی سخت ترین ادوار میں اپنی جدوجہد جاری رکھی لیکن وہ سقیفائی تصورات کے اثرات سے اپنا دامن مکمل طور پر محفوظ نہ رکھ سکے، چنانچہ بعض امور میں حقیقی اسلامی تصورات کے بجائے سقیفائی قیاس، استحسان، استنباط اور اندازِ فکر کے

---

15 TheDeclineAndFallOfTheRomanEmpire,VolII,Ch50

عکس و نقوش ملتے ہیں۔ انہی امور میں سے ایک آل رسولؐ کی فضیلت کا معاملہ ہے جس کا ایک ذیلی جزو سیّد زادی فاطمیہ کی غیر اولادِ رسول سے مناکحت کا مسئلہ ہے۔

ہمیں کفوٗ کے لغوی معنوں سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ (ھمتا) و (مانند) اور (مثل) کو اگر (ہمسر) لکھا جائے تو قارئین کو سمجھنے میں آسانی ہو گی، فقہ امامیہ اور دیگر فقہائے اسلام میں کفوٗ کی شرعی حیثیت، مطالب اور تطبیق میں کوئی فرق نہیں ہے، دونوں فریقین کے نزدیک اسلام رنگ و نسل، قوم، اور قبیلے کی بنیاد پر تمیز روا نہیں رکھتا، اسلام اور ایمان کی بنیاد پر سب افرادِ دین برابر ہیں اور یہ ہی مسلم و مومن کا کفوٗ ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، اس مفہوم سے یہ بات عیاں ہے کہ نسب و نسل کو علمائے امامیہ اور علمائے جمہور کفوٗ شرعی کا لازمہ نہیں مانتے، یہ نظریہ اگر تعلیمات قرآن سے دانستہ اغراض یا آل رسول ﷺ سے بغض کی وجہ سے نہیں تو ہمارے نزدیک اشتباہ شدیدہ ہے جو کہ گمراہ کن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے لفظِ کفوٗ اپنے لئے سورہ اخلاص کی ان آیاتِ مبارکہ میں استعمال کیا ہے لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُولَدْ۔ وَلَمْ یَکُن لَّهُ کُفُوًا أَحَدٌ [16]۔اس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ والد۔ اور نہ اس کا کوئی کفؤ اور ہمسر ہے۔ مولانا مقبول احمد دہلوی اعلی اللہ مقامہ تفسیر قمی کی ایک روایت اس سورہ کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ اس سورہ کی شان نزول یہ ہے کہ یہودیوں نے جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں آکر یہ کہا کہ آپؐ اپنے پروردگار کا نسب نامہ بیان کیجئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ سورہ نازل فرمائی

[16] سورہ اخلاص، آیت 3۔4

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ۔ اللَّهُ الصَّمَدُ۔ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ۔ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ

اے رسولؐ! کہہ دیجئے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بر حق اور بے نیاز ہے۔ اس کی نہ کوئی اولاد ہے اور نہ والد۔ اور نہ اس کو کوئی کفوٴ اور ہمسر ہے

یہودی حضرت عُزیرؑ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور اسی وجہ سے انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ کا نسب نامہ پوچھا تھا، چنانچہ ارباب علم و دانش کفوٴ کی تعریف اسی سورہ مبارکہ سے اخذ کرتے ہیں

سورۂ اخلاص میں کفؤ کی جامع تعریف موجود ہے جو صاف اور واضح ہے کفؤ کی تشریح لم یلد ولم یولد ہے یعنی نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا کہ اللہ کا کفؤ بنتا [17]۔

ہمسر یا ہم کفوٴ ذات وصفات دونوں میں شریک ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہ ذات میں ہے نہ صفات میں، وہاں تو دوئی کا کوئی تصور ہی نہیں کیونکہ اللہ کی صفات اس کی ذات سے ہرگز الگ اور جدا نہیں، وہ عین علم بھی ہے اور عین قدرت بھی، چنانچہ یہ سورہ مبارکہ واضح کر دیتی ہے کہ کفوٴ کی بُنیاد لم یلد ولم یولد پر ہے جو کہ خود نسب پر دلیل ہے کیونکہ نسب میں سلسلہ فلاں بن فلاں سے چلتا ہے، ہم نسب و نسل ایک دوسرے کی ذات اور عمومی صفات میں شریک ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کسی بھی قسم کے نسب و ہمسری کی رد میں یہ سورہ مبارکہ نازل کی ہے ، تفسیر نمونہ میں ہے کہ

---

[17] تعظیم الاشراف، صفحہ 15، علامہ غلام حسن کاظمی

اس سورہ کی آخری آیت میں خدا کے اوصاف کے بارے میں مطلب کو مرحلۂ کمال تک پہنچاتے ہوئے فرماتا ہے: اور ہرگز اس کا کوئی شبیہ اور ہمسر نہیں ہے، کفؤ اصل میں مقام و منزلت اور قدر میں ہم پلّہ کے معنی میں ہے اور اس کے بعد اس کا ہر قسم کے شبیہ اور مانند پر اطلاق ہوا ہے[18]۔

امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک خطبہ میں فرماتے ہیں

اس (اللہ تعالیٰ) نے کسی کو نہیں جنا کہ وہ خود بھی مولود، اور وہ کسی سے پیدا نہیں ہوا ورنہ وہ محدود ہو جاتا، اس کا کوئی مثل و نظیر نہیں ہے کہ وہ اس کا ہم پلہ ہو جائے، اور اس کے لئے کسی شبیہ کا تصور نہیں ہو سکتا کہ وہ اس کے مساوی ہو جائے۔[19]

اس بحث سے یہ ثابت ہے کہ، کفوٗ کے اولین معنی نسبی ہمسری اور برابری کے ہیں جیسا کہ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے، لہذا نسب کفوٗ کا ایک بنیادی عنصر ہے جسے اس نص قرآنیہ کے بعد کفائت سے خارج نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے اللہ تعالیٰ قرآن میں انسانوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ[20]۔ انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔ اس طرح کفوٗ کی متذکرہ بالا تعریف کے لحاظ سے تمام انسان باعتبار خلقت' مخلوق ہونے اور خلق کئے جانے کے ایک دوسرے کے عمومی ہمسر و مانند ہیں، اللہ تعالیٰ اس آیہ مبارکہ میں مذید کہتا ہے وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ

---

[18] تفسیر نمونہ، جلد 15، صفحہ 564
[19] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر 186
[20] سورہ الحجرات، آیت 13

لِتَعَارَفُوا [21]۔اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ اہل علم و دانش اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ ہر عمومی قانون کے استثنائی پہلو بھی ہوتے ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ بعض انسانوں کے مرتبہ کو بلند کرتے ہوئے آواز دیتا ہے انظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ [22]۔آپ دیکھئے کہ ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ان فضیلتوں کے طفیل جنس انسانیت میں انواع وجود میں آئیں، جو بہ اعتبار اوصافِ نوعی دیگر انساب و قبائل سے فاضل ٹھہرتی ہیں، اب ان انواع کے افراد حاملین صفات ہونے کی وجہ سے باہم ہمسر اور ہم کفوٴ قرار پائیں گے وگرنہ فصیلت بے کار و بلا وجہ ثابت ہوتی ہے، یہ نسبی فضیلت ہے لہذا ایسا ہر گز ممکن نہیں کہ کوئی مفضول النسب رہ جانے والا شخص اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ کے بعد اپنے افعال وعبادات سے اللہ تعالیٰ کی عطاءِ خاص نسبی فضیلتوں کو پا لے، یہاں یہ بات بھی اذہان میں محفوظ رہنی چاہیے کہ ان فضیلتوں کا اطلاق افراد پر اُسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ اللہ کے دین پر قائم ہیں بصورت دیگر عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ کی بدولت مثل فرزند نوحؑ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ قرار پاتے ہیں، یہ عملِ غیر صالح کیا ہیں؟ ان کا ذکر گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

نسلوں اور قبیلوں کا قیام خود دلیل ہے کہ کوئی نہ کوئی فرق مابین نسل و قبائل ضرور موجود ہے کہ جس کا تعلق عطیہ خداوندی سے ہے کسب انسانی سے نہیں، اسی لئے تو اللہ اس تفریق کو خود سے منسوب کرتا ہے، ورنہ نسلی تفرق و امتیاز قائم نہیں کیا

---

[21] ایضاً

[22] سورہ بنی اسرآئیل 21

جا سکتا، اس کے بر عکس جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں مولوی حضرات بلا استثناء فقہ یہ تبلیغ کر رہے ہیں کہ اسلام میں حسب و نسب کی کوئی تمیز نہیں ہے سب برابر ہیں اور افراد کی فضیلت کا دارو مدار فقط تقویٰ پر ہے، اہل سنت کے ایک مشہور عالم دین مولانا سید سلمان ندوی اپنی کتاب معارف میں فرماتے ہیں یہ صاف نظر آتا ہے کہ اسلام نے حسب و نسب، مال و دولت، پیشہ و حرفت کے تمام امتیازات مٹا دیے ہیں۔ اس کے نزدیک اگر کوئی چیز امتیاز و تفوّق کی ہے تو وہ تقویٰ، دینداری اور حسن اخلاق کی شرافت ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ موصوف اس عقیدہ کے حامل ہونے کے باوجود اپنے نام کے ساتھ سیّد ہونے کا نسلی امتیاز روا رکھتے تھے۔ سبحان اللہ۔ شیعہ مرجعٔ کرام بھی اسی نظریہ کی بنیاد پر اپنے اجتہاد کی بنیاد رکھے ہوئے ہیں، یہ استنباط اس آیہ مبارکہ سے تاویل کیا جاتا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ [23]۔

انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دیے ہیں تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو، بیشک تم میں سے خدا کے نزدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ متقی ہے اور اللہ ہر شے کا جاننے والا اور ہر بات سے باخبر ہے۔

علمائے امامیہ اور جمہور کا یہ استنباط، اجماع، یا اجتہاد فی زمانہ ایک عقیدہ کی شکل اختیار کر چکا ہے جس کی ترویج میں مغرب کا لادین پراپیگنڈا جلتی پر تیل کا کام کر رہا ہے حالانکہ

[23] سورہ الحجرات، آیت 13

یہ عقیدہ حقیقی اسلام کی روح سے متصادم ہے، حیرت ناک پہلو تو یہ ہے کہ شعوب و قبائل کی نفی اُسی آیت قرآنیہ سے کی جارہی ہے جو کہ بذاتِ خود ان کے برحق ہونے پر نص قرآنیہ ہے

یہ عقیدہ اسلام کی روح سے ہی متصادم ہے۔اس کے برعکس قرآن کریم قوم، نسب، شعوب و قبائل کے وجود، برحق ہونے کا اعلان کررہا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو خود سے منسوب کرتا ہے۔قرآن کی تحریف معنوی کی یہ جسارت تو دیکھیے کہ آیت مبارکہ کا پہلا جملہ نظر انداز کر کے دوسرے حصہ کو ہی لیا جاتا ہے اور آیت کے اصل مفہوم کو ہی درخور اعتنا نہیں سمجھا جاتا [24]۔
نسل، قوم، شعب، قبیلہ، خاندان، اب و جد، اور اولاد واَحفاد کے ساتھ انسان کا تعلق سطحی، عارضی اور محض اتفاقی نہیں ہے بلکہ انسان کی فطرت کا خمیر مایہ ہی اس تعلق سے گوندھا گیا ہے اور قدرت کے اٹل قوانین کی کارفرمائی اس میں مخل ہے چنانچہ انسان کا اس سے علیحدہ ہونا اور انقطاع کرنا فطرت سے بغاوت ہے [25]۔

قارئین کرام! اگر اس عقیدہ کو بالفرض محال درست تسلیم کر لیا جائے کہ اسلام نے حسب و نسب کے تمام امتیازات مٹا دیے ہیں تو مندرجہ ذیل آیتِ قرآن کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قرابت داروں کا تعین کیسے کیا جائے گا؟

قُل لَّآ أَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَيۡهِ أَجۡرًا إِلَّا ٱلۡمَوَدَّةَ فِي ٱلۡقُرۡبَىٰ [26]

[24] تعظیم الاشراف، صفحہ 15، علامہ غلام حسن کاظمی
[25] ایضاً، صفحہ 53
[26] سورہ اشوریٰ، آیت 23

آپ کہہ دیجئے کہ میں تم سے (اس تبلیغ کا) کوئی اجر نہیں چاہتا علاوہ اس کے کہ میرے اقربا سے محبت کرو۔

یہاں پر حضورﷺ کے قرابت داروں کا تعین ان کے کسب اور تقویٰ کی وجہ سے کیا جائے گا یا رسول اللہ سے نسبت و نسب کو سامنے رکھا جائے گا؟ کیا احکاماتِ زکوٰۃ اور خمس کا تعلق کسب سے ہے کہ امتیازِ نسل و نسب سے ؟ اگر عقیدہ جمہور درست ہے تو حضرت ابو بکر سے سورہ برات کی تبلیغ کا فریضہ کیوں واپس لیا گیا؟ حالانکہ وہ اسی عقیدہ کے تحت فرماتے تھے کہ ہم سب عترتِ رسولﷺ ہیں، اگر یہ ہی دین ہے تو کیا نعوذ باﷲ من ذالک خود حضور اکرمﷺ نے اِس کی خلاف ورزی نہیں فرمائی جب آپؐ نے اپنے نسب پر فخر فرماتے ہوئے کہا انا خیرکم نسباً و خیرکم اباً[27]۔ یعنی میں تم سے نسب اور آبا و اجداد کی نبست سے بہترین ہوں۔

اب ہم قدرے تفصیل کے ساتھ سورۃ الحجرات کی متذکرہ بالا آیہ مبارکہ پر فکر و تدبر کرتے ہیں تاکہ حق کے لبادے میں چھپے ہوئے باطل کو بے نقاب کیا جاسکے کیونکہ تلبسوا الحق بالباطل یعنی باطل حق کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے۔ اللہ رب العزت اس آیہ کریمہ میں کہہ رہا ہے کہ اے انسانوں! میں نے تم کو ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے، پھر یہ میں ہی ہوں جس نے اپنی منشاء کے مطابق تمہارے شعبے یا نسلیں اور قبیلے بنائے ہیں تاکہ تمہاری پہچان ہو سکے، اس بات پر تمام مسلمانوں کا یقین ہے کہ خُداوندِ عالم حکیمِ مطلق ہے اور اُس کا کوئی بھی قول و فعل حکمت سے خالی

[27] اولادامیرالمومنین، صفحہ 19، مصنف وزیر حیسن العلوی

نہیں ہو سکتا، چنانچہ اس فرمان کے بعد تمام مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ فکر و تدبر سے کام لیں اور معلوم کریں کہ یہ پہچان کیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کیا حکمت ہے؟

ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ لفظِ ناس تمام انسانوں پر محیط ہے جو یہ بتا رہا ہے کہ مخلوق اور خلق ہونے اور ایک مرد و عورت کی اولاد ہونے کے ناطے انسان ان باتوں میں مساوی الدرجہ ہیں، پھر یہ آیت نشاندہی کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی منشاء سے انسانوں کی ذاتیں، قبائل، خاندان اور گھر بنائے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ علیم بھی ہے اور حکیم بھی لہٰذا شعوب و قبائل بلا وجہ نہیں ہوسکتے، یہ خاص غرض و علت کے لئے بنائے گئے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ خود پہچان مابین بیان کرتا ہے، آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے علیم و خبیر ہونے کی نوید بھی دے رہا ہے جو اس سمت اشارہ ہے کہ یہ پہچان بلاوجہ نہیں بلکہ اس کا تعلق اس کے علم سے ہے، اب اگر اس پہچان کو جانے بغیر سب انسانوں کو ایک ہی جانا جائے گا تو یہ عمل نہ صرف اللہ تعالیٰ کی حکمت و منشاء کے خلاف ہو گا بلکہ صریحاً نافرمانی کے زُمرے میں بھی داخل ہو گا، پس یہ آیت قرآنیہ ثابت کرتی ہے کہ نسلوں اور قبیلوں کو الگ الگ رکھنا اور ان کی پہچان و تمیز کو قائم رکھنا اللہ تعالیٰ کی حکمت و منشاء ہے، اگر یہ آپس میں مل جائیں یا ملا دیئے جائیں تو پہچان و تمیز ختم ہو جائے گی، آیہ مبارکہ یہ بھی واضح کرتی ہے کہ ان تمام نسلوں اور قبیلوں میں کوئی نہ کوئی فرق لازم ہے ورنہ پہچان بلاوجہ و عبث ہو گی، یہ بھی سمجھنا اور جان لینا ضروری ہو جاتا ہے کہ یہ پہچان اور تمیز کس طرح اور کن امور میں کرنی ہے۔

اب ایک اور امر باقی بچتا ہے جس کا مفہوم سمجھنے میں دانستہ یا غیر دانستہ غلطی یا سہو کیا جاتا ہے، جو مطالب اخذ کیے جاتے ہیں وہ اس آیہ مبارکہ کے اصل مفہوم کو ہی بدل کر رکھ دیتے ہیں، ہم زیر نظر آیہ مبارکہ کے اس حصّہ کا ذکر کر رہے ہیں جس میں کہا گیا ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ بیشک تم میں سے خدا کے نذدیک زیادہ محترم وہی ہے جو زیادہ متقی ہے۔ ارباب علم و دانش جانتے ہیں کہ لفظِ اتقیٰ کا فاعل متقی ہے اور اتقیٰ کا تعلق مسلمان کے فعل سے ہے اللہ تعالیٰ کے بنانے سے نہیں، جبکہ اللہ تعالیٰ نے شعوب و قبائل خود بنائے ہیں جس میں افراد کے عمل کا کوئی دخل نہیں، اس صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکمِ خدا کے مطابق پہچان کا مقام کس کو مانا جائے؟ کیا کوئی شخص یقین کامل کے ساتھ کسی فرد کے مقامِ تقویٰ کو جان اور سمجھ سکتا ہے؟ ہر گز نہیں! کیونکہ تقویٰ کا تعلق مومن کے دل و ایمان سے ہے اور دلوں کا حال تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے، لہذا جس چیز کا علم ہی انسان کو نہیں ہو سکتا اُسے انسانوں کے مابین پہچان کا مقام قرار دینا نہ صرف عبث ہے بلکہ ایسا عقیدہ رکھنا حکمت و علم خدا تعالیٰ کا مذاق اڑانے کے مترادف ہے جو کہ کفر ہے۔ ایسے افراد کو اس آیہ مجیدہ پر نظر کر لینی چاہیے

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقاً۔ إِلاَّ طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا [28]

---

[28] سورہ النساء آیت 168۔169

اور جن لوگوں نے کفر اختیار کرنے کے بعد ظلم کیا ہے خُدا اُنھیں ہر گز معاف نہیں کر سکتا اور نہ اُنھیں کسی راستہ کی ہدایت کر سکتا ہے۔ سوائے جہنم کے راستے کے جہاں ان کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اور یہ خُدا کے لئے بہت آسان ہے

قارئین کرام! اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ پہچان کا کیا مقام مانا جائے، سورۃ الحجرات کی آیہ مبارکہ میں خُداوند عالم کے قول کی معرفت و تصدیق فعل خُدا سے ہی ہو گی کیونکہ خُدا کا قول اس کا فعل ہوا کرتا ہے، اور فَلِلّٰہِ الْحُجَّۃُ الْبَالِغَۃُ[29]۔ خدا کی حجت بالغ یعنی کامل و غالب ہوتی ہے۔ چنانچہ ہم قرآن مجید سے ہی رجوع کرتے ہیں، اللہ تعالی فرماتا ہے

یَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ[30]

اے بنی اسرائیل ان نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے تمہیں عنایت کی ہیں اور جن کے طفیل تمھیں سارے عالم سے بہتر بنا دیا ہے

اس آیہ مبارکہ میں قابل غور نکات یہ ہیں

1. بنی اسرائیل ایک نسل ہے جس پر لفظ بنی دلالت کرتا ہے،
2. اس نسل کو دیگر انسانوں سے الگ پہچان و مقام دیا دیا گیا
3. انسانی نسلوں کے درمیان پہچان کا باعث فقط فضیلت ہے
4. یہ فضیلت بنی اسرائیل کی کسبی نہیں بلکہ عطیہ ٔخداوندی ہے

---

[29] سورہ الانعام، آیت 149
[30] سورہ البقرہ، آیت 122

5. اس فضیلت کے باعث یہ نسل تمام انسانوں اور عالمین پر فاضل ٹھہرائی گئی
6. اس فضیلت میں بنی اسرائیل کو من حیث المجموعی داخل کیا گیا جس میں مرد اور عورتیں دونوں شامل ہیں
7. اس نسل کے فاضل ہوتے ہی باقی انسانی نسلیں اور قبائل مفضول ہو گئے، وگرنہ فضیلت بے معنی ہو جاتی ہے
8. بنی اسرائیل کی یہ فضیلت جسمانی طور پر ظاہر نہ تھی بلکہ تعارف میں پوشیدہ تھی

قارئین کرام! ان آٹھ نکات کو سامنے رکھیں اور سورہ الحجرات کی آیت پر غور فرمائیں، تمام صورت حال مکمل طور پر اظہر من الشمس ہو جائے گی۔ لفظ لِتَعَارَفُوا ظاہر ہے کہ ایک امر ہے جو وجوب چاہتا ہے اسی لئے پہچان کرنا قرار دیا گیا، چنانچہ جب اس فاضل نسل کی عورتوں کو ایک مفضول قوم کے افراد نے اپنی حاکمیت و کنیزی میں لیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے عذابِ عظیم قرار دیا، اللہ تعالی فرماتا ہے

وَقَالَ الْمَلأُ مِن قَوْمِ فِرْعَونَ أَتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُواْ فِي الأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ[31]۔

اور فرعون کی قوم کے ایک گروہ نے کہا کہ کیا تو موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ یہ زمین میں فساد برپا کریں اور تجھے اور تیرے خُداوں کو چھوڑ دیں۔ اس نے

[31] سورہ الاعراف ۱۲۷

کہا کہ میں عنقریب ان کے لڑکوں کو قتل کر ڈالوں گا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھوں گا۔ میں ان پر قوت اور غلبہ رکھتا ہوں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءكُمْ۔۔۔الخ[32]

اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تم لوگ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دلائی جب وہ تم کو بدترین عذاب میں مبتلا کر رہے تھے کہ تمہارے لڑکوں کو ذبح کر رہے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے۔

علامہ ذیشان حیدر جوادی نے اپنے ترجمہ قرآن میں لڑکیوں کو زندہ رکھے جانے کی وجہ قوسین میں کنیزی لکھا ہے جس سے مراد فاضل خواتین کا مفضول افراد کے زیر تسلط آنا یا محکوم بنایا جانا، اسی طرح صاحب تفسیر نمونہ نے بھی کنیزی ہی لکھا ہے۔ ان آیات میں چند نکات توجہ طلب ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے۔

۱۔ بنی اسرائیل کو اللہ نے فاضل بنایا

۲۔ فرعون اور اس کی قوم ان سے مفضول تھی

۳۔ لفظ نساء میں تمام بنی اسرائیل کی تمام اصناف خواتین شامل ہیں

۴۔ اللہ تعالی نے بدترین عذاب میں مبتلا کیا جانا بیان کیا ہے لہذا یہ بنی اسرائیل کے لیے اذیت ناک ہے

---

[32] سورہ ابراہیم ۶

۵۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے ذبح کیے جانے اور عورتوں کے زندہ رکھے جانے کو ہم وزن بیان کیاہے اور ان دونوں کے مجموعہ کو بدترین عذاب قرار دیاہے

کیا یہ تمام نکات مل کر آیہ مبارکہ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا میں ناموس رسالت کی علت پر دلالت نہیں کرتے؟ اگر صرف ازواج سے ہی نکاح کو رسول کے لیے باعث اذیت مان لیا جائے تو بنات سے نکاح کو باعث تکذیب ناموس رسالت کیوں نہ مانا جائے جب کہ بنی اسرائیل کی خواتین کہ جن میں اُن کی بیٹیاں بھی شامل ہیں کے سات ایسے ہی عمل کو اللہ تعالیٰ قوم کے لیے باعث عذاب و اذیت قرار دیتاہے۔ جب یہ عمل حضور اکرمؐ سے ایک مفضول قوم کے لیے عذاب ہے تو فخرے انبیاء اور وجہ تخلیق کائنات کی بیٹیوں کے ساتھ کیوں کر جائز قرار دیا جاسکتاہے؟

آیہ مبارکہ وَقَالَ الْمَلَأُ مِن قَوْمِ فِرْعَوْنَ کی تفسیر میں صاحبِ تفسیرِ نمونہ لکھتے ہیں

> فرعون نے اس مقام پر ایک گہری سیاست شروع کی اور ایک ایسا منصوبہ تیار کیا جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کی قوت و قدرت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے، وہ تدبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر کے ہمیشہ کے لئے مردوں کا خاتمہ کر دے تاکہ وہ کبھی اس سے مقابلہ نہ کر سکیں اور عورتوں اور لڑکیوں کو کنیزی اور خدمت کے لئے باقی رکھے، یہ ہر قدیم و جدید استعمار کا ایک زبردست طریقہ ہے۔۔۔مزید یہ احتمال موجود ہے کہ فرعون چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی ہمت دو طرح سے ٹوٹ جائے ایک تو لڑکوں کا قتل، دوسرے ناموس کا خطرہ[33]۔

---

[33] تفسیر نمونہ، جلد ۲، صفحہ ۲۶۸، ترجمہ مولانا سید صفدر حسین نجفی

یقیناً یہ ہی بات تھی جسے صاحب تفسیر نمونہ نے احتمال لکھا ہے اور یہ آیہ مبارکہ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا میں موجود علت و خدشہ کی وضاحت کرتی ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس کو خطرے سے دوچار کرنے کو ہم کیوں نہ ایک گہری سیاست اور قدیم وجدید استعمار کا ایک حربہ قرار دیں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کی فضیلت و حرمت سے انکار خُداوندِ عالم کے فیصلہ کے خلاف ہے اور فسق کے مصداق ہے

مَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُوْلَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[34]۔

جو بھی تنزیل خُدا سے فیصلہ نہ کرے وہ فاسقوں میں شمار ہوگا۔

اگر آلِ فرعون اور قبطی افراد کا یہ عمل اللہ کے نزدیک جائز ہوتا تو وہ اسے عذاب کیوں قرار دیتا؟ اور پھر ایسی صورت میں بنی اسرائیل کی فضیلت کے کیا معنی رہ جاتے ہیں؟ پس یہ ظاہر و ثابت ہے کہ نسبی فضیلت کفائت کا جُزوِ لاینفک ہے اور کوئی ایسا فتویٰ جو فاضل النسب خواتین کو مفضول النسب افراد کے تسلط و حکمرانی میں دے اور وہ بھی کفائت کی من بھاتی تاویلات اور من گھڑت عقیدہ کی بنیاد پر تو وہ قابل قبول نہیں ہو سکتا، بلکہ ایسا فتویٰ جو حکم الٰہی سے متصادم ہو کیوں کر شرعی اور اسلامی گردانا جاسکتا ہے۔

اب ہم گفتگو کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ دیکھتے ہیں کہ حضراتِ معصومین کفوٴ کے ضمن میں کیا فرماتے ہیں، علامہ مجلسیؒ نے ایک رویت نقل کی ہے

---

[34] سورہ مائدہ ۴۷

ایک خارجی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہونچا اور کہنے لگا، میں آپ علیہ السلام کے پاس شادی کا پیغام دینے آیا ہوں۔آپ علیہ السلام نے فرمایا، سنو تم اپنے دین اور اپنے حسب کے اعتبار سے اپنی نسب کے کفو ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے صدقات سے جو لوگوں کے ہاتھوں کا میل اور گندگی ہے اس سے ہمیں بچالیا ہے اور ہمیں یہ پسند نہیں ہے کہ جو شرف اللہ نے بخشا ہے اس میں ہم کسی ایسے کو شریک کریں جسے اللہ نے ہمارے جیسا شرف نہیں دیا ہے [35]۔

اس روایت میں امام صادق علیہ السلام نے تین امور کو کفوٗ کا معیار بتایا ہے یعنی دین، حسب، اور نسب۔ اس روایت پر ایک یہ اعتراض سننے میں آیا ہے کہ یہ ایک خارجی کے سوال کے جواب میں کہا گیا ہے لہذا شیعہ مومنین پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، ہمارے نزدیک یہ ایک نامعقول سا عذر ہے، اگر اس اعتراض کو درست تسلیم کر لیا جائے تو معترض کو سورہ اخلاص پر بھی ایمان نہیں رکھنا چاہئے کہ وہ بھی تو کفار کے جواب میں نازل کی گئی تھی، قائلین جواز اور علماء اکثر یہ حدیث مبارکہ پیش کرتے ہیں کہ امام علی النقی علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک صاحب کہتے ہیں میں نے شادی کے بارے میں ابو جعفرؑ کی خدمت میں خط لکھا، ان کے اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا جواب آیا، پیغمبر اکرم نے فرمایا اِذَا جاءکم مَنْ تَرْضَوْن خُلُقَهُ و دِيْنَهُ فَزَوِّجُوْهُ اِلاّ تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ كَبير۔ جب تمہارے پاس رشتہ کا کوئی ایسا پیغام آئے جس کی دینداری اور عمدہ اخلاق پر تمہیں اطمینان ہو تو شادی میں دیر نہ کرو، نہیں تو بڑی خرابیاں پیدا ہوں گی اس حدیث کو آیت اللہ سیستانی نے

---

[35] بحار الانوار، جلد ہشتم، ص 244، ترجمہ مولانا سید حسن امداد، کراچی

اپنے ایک فتاویٰ میں بھی لکھا ہے۔ اسی طرح اہل سنت والجماعت بھی یہ ہی حدیث الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ اس طرح بیان کرتی ہے عَنْ اَبِیْ ہُرَیْرَۃَ ص قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ۔اِذَا خَطَبَ اِلَیْکُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ دِیْنَہٗ وَ خُلُقَہٗ فَزَوِّجُوْہُ اِلاَّ تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَ فَسَادٌ عَرِیْضٌ[36]۔آیت اللہ سیستانی نے اس حدیث کی روشنی میں سیّد زادی کا نکاح غیر سید سے جائز قرار دیا ہے غالباً استنباط یہ ہے کہ اس میں حسب و نسب کا ذکر نہیں ہے، فقط عمدہ اخلاق اور دین کی بات کی گئی ہے، لیکن اس حدیث مبارکہ میں حسب و نسب کی ممانعت بھی تو نہیں کی گئی لہذا یہ کیسے فرض کر لیا گیا کہ ان خصوصیات کا نسب سے کوئی تعلق نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کی تشریح وتوضیح امیر المومنین علی علیہ السلام کے ان اقوال مبارکہ سے ہوتی ہے عمدہ اخلاق اور اچھی وراثت حسب و نسب کی فضیلت پر دلالت کرتے ہیں۔ایک دوسری روایت ہے کہ امیر علیہ السلام فرماتے ہیں جس شخص کی خاندانی اصلیت شریف ہے، اس کا ظاہر و باطن شریف ہے یعنی وہ ہر حالت میں شریف اور صفات پسندیدہ کا مالک ہے[37]۔ اشعث بن قیس کا حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا رشتہ مانگنے کا واقعہ تاریخ میں مرقوم ہے اسے نہج البلاغہ شرح ابن ابی الحدید نے بھی نقل کیا ہے اس روایت میں ایک جملہ یہ بھی ہے کہ روی اھل سیرۃ ان الاشعث خطب الی علی لبنتہِ فزیرۃ و قال یا ابن الحائک اعزک ابن ابی قحافۃ یعنی آپ نے فرمایا اے جلاہے کے بیٹے

---

[36] رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ
[37] اولاد نیک کیسے ہو، صفحہ 30، مصنف حکیم مبارک علی

جلاہے اور کافر کے بیٹے منافق! تجھ کو ابن ابی قحافہ نے گستاخ کر دیا ہے۔ ان الفاظ کو لطفاً نہ پڑھیے گا اور نہ ہی مولا کے غصّہ کا نتیجہ سمجھیے گا، ہمارا ایمان ہے کہ امام علیہ السلام کا کلام، کلاموں کا امام ہے، حضرت ابو بکر کی بہن اشعث سے بیاہی ہوئی تھیں، مولا نے اُسے اپنی اصلیت دکھائی اور کہا کہ ابن ابی قحافۃ (حضرت ابو بکر) نے (اپنی بہن کا رشتہ دے کر) تم کو گستاخ بنا دیا ہے کہ اب اعلیٰ نسب افراد سے رشتہ طلب کرتے پھر رہے ہو۔

قارئین کرام! اس بحث سے ثابت ہے کہ نسل و نسب ہی معیارِ کفو کی اساس ہے اور اس کو خارج نہیں کیا جاسکتا، آخر میں امیر المومنین علیہ السلام کی وصیت کا ایک جملہ پیش خدمت ہے، وہ فرماتے ہیں

دیکھو خدا سے ڈرو اپنے نبی کی ذرّیت کے بارے میں کہیں تمہارے ہوتے ان پر ظلم نہ ہو جائے جب کہ تم اس کو دفع کرنے پر قدرت بھی رکھتے ہو۔[38]

میرے ایک دوست کے بیٹے جو حوضۂ علمیہ قُم میں تعلیم حاصل کر چکے ہیں کہنے لگے مجھے دیگر انبیاء کرام کی اولاد کے احوال پر بھی نظر کرنا چاہیے تاکہ پتہ چلے کہ اُن کی بنات کے نکاح کیسے ہوئے، میں اُن کے اخلاص و مشورہ کا ممنون ہوں لیکن میرا استدلال فاضل و مفضول کے پیرائے میں ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اُن کی اولاد سب سے فاضل ہے چنانچہ کوئی بھی نظیر ان کی فضیلت کے مقابل نہیں آسکتی، ایک

[38] اسرار امامت، صفحہ 35، ترجمہ کتاب سلیم بن قیس ہلالی، مترجم مرزا یوسف حسین لکھنوی

دلیل تو اوپر بیان شدہ آیاتِ قرآنیہ ہیں إِنَّ اللّٰہَ اصْطَفَی آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ۔ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللّٰہُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ [39] ۔ جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ خود اس نسل کی پاکیزگی بیان کر رہا ہے، اس کے علاوہ ایک دیگر حوالہ بھی پیش خدمت ہے تاکہ اس فکر کو بھی منطقی انجام دیا جاسکے، علامہ غلام حسن شاہ کاظمی اپنی کتاب تعظیم الاشراف میں مولوی عبدالحق سیالکوٹی کی کتاب تاریخ گوجراں کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

حضرت اسحاق نے اپنے بھائی حضرت اسمٰعیل کی بیٹی بشامتھ نام سے اپنے بڑے بیٹے عیص کا نکاح کر دیا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت اسماعیل نے حضرت اسحاق کو وصیت کی تھی کہ ملکِ عرب میں ہمارے نسب سے اور کوئی شخص موجود نہیں جس سے کہ میں اپنی بیٹی کا رشتہ کروں۔۔۔ کم و بیش چار ہزار برس سے مسئلہ تشخیصِ کفؤ اور امتیاز خاندان (Somatic) سمیٹک نسل کا سرنامہ اور آلِ ابراہیم علیہ السلام کا شیوہ رہا ہے۔ [40]

[39] سورہ آل عمران، آیت 33-34

[40] تعظیم الاشراف، صفحہ 162، مصنف علامہ غلام حسن شاہ کاظمی

باب چہارم

حضرت زینبؓ بنتِ جحش

آنحضرتﷺ کی اولاد کو صرف ہاشمی قرار دینے کے بعد ان کے نکاح کو مفضولین سے جائز ثابت کرنے کے لئے حضرت زینبؓ کے حضرت زید بن حارثہؓ سے نکاح کو ایک دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے، قائلینِ جواز کی اس دلیل کا مختصراً ابطال صفحات گزشتہ میں کر دیا گیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ کیسے ہمارے موقف کی ہی تائید کرتی ہے، اس واقعہ کو جس انداز سے تاریخ و تفاسیر میں بیان کیا گیا ہے وہ بھی انتہائی سطحی اور شانِ رسالت کے معارض ہے، علاوہ ازیں اس واقعہ میں پوشیدہ حکمت سے بڑے ہی ماہرانہ انداز سے چشم پوشی کی گئی ہے، اس مسئلہ پر تدبر سے یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ فقہائے جمہور کے عقائد و تصورات، تاریخ کے صفحات میں غلط بیانی، اور لوگوں کے درپردہ مقاصد فقہ امامیہ کو کس حد تک متاثر کر رہے ہیں، انہی اثرات کو واضح کرنے کے لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ تاریخ اسلام کے اس اہم واقعہ پر بحث و تحلیل سے اس کے پوشیدہ حقائق کو منظرِ عام پر لا کر نشاندہی کر دی جائے۔

حضرت زینبؓ کی کنیت ام الحکیم تھی اور آنحضرتﷺ کی پھوپھی زاد تھیں، آپ کی والدہ امیمہ بنت عبد المطلب کی شادی قریش کے خاندان اسد بن خزیمہ کے ایک فرد **جحش** سے ہوئی تھی، چنانچہ والد کی نسبت سے حضرت زینبؓ اسدی تھیں اور مورخین نے آپ کو اسدی ہی لکھا ہے، آپ کا نسب یہ ہے زینب بنت جحش بن

رباب بن یعمر بن صبرہ مرہ بن کثیر بن غنم بن دودان سعد بن خزیمہ۔ حضور اکرم ﷺ نے ان بی بی کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام اور متبنٰی زید بن حارثہؓ کے ساتھ کیا تھا، زیدؓ کو لوگ حضور ﷺ کا بیٹا کہتے تھے، تاریخ شاہد ہے کہ خود جناب زیدؓ نے یا آنحضرت ﷺ نے کبھی بھی ایسا نہیں کہا، حضرت زیدؓ بنو قضاعہ کی ایک شاخ بنو کلب کے ایک سردار حارثہ بن شراحبیل کے بیٹے تھے جنہیں بچپن میں اغوا کر کے غلام بنالیا گیا تھا، جناب زیدؓ مکہ کی منڈی میں پہنچے تو انہیں ایک سردار حکیم بن حزام نے خرید لیا اور پھر اپنی پھوپھی سیدہ طاہرہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کو ہدیہ میں دے دیا، جہاں سے زیدؓ حضور ﷺ کے پاس آ گئے، حارثہ بن شراحبیل کو اپنے بیٹے زیدؓ کی مکہ میں موجودگی کا علم ہوا تو اُس نے حضور ﷺ کو منہ مانگی رقم کے بدلے اپنے بیٹے کو واپس مانگا، آپؐ نے فرمایا کہ اگر زیدؓ تمہارے ساتھ جانا چاہے تو میں کوئی رقم نہ لوں گا لیکن زیدؓ نے اپنے والدین کے بجائے حضور ﷺ کے ساتھ کو ترجیح دی، جب حضور ﷺ نے حضرت زینبؓ بنت جحش کا نکاح زیدؓ سے کرنا چاہا تو حضرت زینبؓ اور ان کے بھائی عبداللہ بن جحش کو رنج ہوا کہ زیدؓ ایک آزاد کردہ غلام ہیں، جس پر اللہ تعالیٰ نے وحی نازل کی کہ

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا [1]۔

اور کسی مومن و مومنہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو اپنے امور میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہی کھلی گمراہی میں ہو گا۔

136۔ سورہ الاحزاب، آیت

حضرت زینبؓ نے اس آیت کے نزول کے بعد سرِ تسلیم خم کر لیا لیکن تاریخ بیان کرتی ہے کہ حضرت زیدؓ اور اُن کے درمیان خوشگوار تعلقات استوار نہ ہو سکے، آئے روز کے جھگڑوں سے تنگ آ کر حضرت زیدؓ حضور اکرم ﷺ سے انہیں طلاق دینے کی اجازت مانگتے مگر منع کر دیئے جاتے، پھر ایک وقت آیا کہ انہیں طلاق کی اجازت مل گئی اور دونوں کے درمیان علیحدگی ہو گئی، پھر زینبؓ سے حضور اکرم ﷺ نے خود شادی کر لی یہ واقعات اس آیت کے تناظر میں ہوئے

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَن تَخْشَاهُ فَلَمَّا قَضَى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنَاكَهَا لِكَيْ لَا يَكُونَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ حَرَجٌ فِي أَزْوَاجِ أَدْعِيَائِهِمْ إِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا[2]

اواس وقت کو یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر خدا نے بھی نعمت نازل کی اور تم نے بھی احسان کیا یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی زوجہ کو روک کر رکھو اور اللہ سے ڈرو اور تم اپنے دل میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے جسے خدا ظاہر کرنے والا تھا اور تمہیں لوگوں کے طعنوں کا خوف تھا حالانکہ خدا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے ڈرا جائے اس کے بعد جب زید نے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اس عورت کا عقد تم سے کر دیا تا کہ مومنین کے لئے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے عقد کرنے میں کوئی حرج نہ رہے جب وہ لوگ اپنی ضرورت پوری کر چکیں اور اللہ کا حکم بہر حال نافذ ہو کر رہتا ہے۔

علامہ حسین بخش جاڑا فرماتے ہیں

---

[2] سورہ احزاب، آیت 37

علماء نے بیان کیا ہے کہ دو بڑی وجہیں ہیں جن کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زینب سے شادی کی، ایک تو یہ کہ زینب بنت حجش شریف النفس اور خود دار عورت تھی اس نے رسول کے حکم کی لاج رکھتے ہوئے زید سے نکاح منظور کر لیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ اس کو محسوس کرتی رہی اور اس رشتہ کو اپنی خفت سمجھتی رہی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا بڑا احساس تھا اس لئے جب زید نے طلاق دی تو آپ نے بحکم پروردگار اس سے شادی کر لی۔[3]

علامہ جاڑا کے متذکرہ بالا بیان میں غور طلب امور یہ ہیں

1۔ شریف النفس اور خود دار لوگ اپنے سے کمتر لوگوں میں شادی کو خفت محسوس کرتے ہیں۔

2۔ خود حضورؐ کو بھی اس کا بڑا احساس تھا، یعنی کہ وہ بھی اس خفت اور اس کے محرک کو درست سمجھتے تھے۔

یہ دونوں نکات اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس رشتہ سے راضی نہ تھے، تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نکاح مجبوری میں کرایا تھا؟ یعنی کسی وجہ نے انہیں اُن کی مرضی کے خلاف عمل کرنے پر مجبور کیا جس پر حضورؐ بھی بادل ناخواستہ خاموش رہے، وگرنہ وہ اس کے حق میں ہوتے تو محسوس ہی کیوں کرتے۔

میرے نذدیک علامہ جاڑا جیسی قد آور شخصیت سے بھی اس رشتہ کی حقیقت کو سمجھنے میں سہوٗ سرزد ہوا، اس میں وہ تنہا نہیں کیونکہ دیگر علماء نے بھی اس واقعہ اور آیاتِ قرآنیہ کے بالکل سطحی مطالب اخذ کئے ہیں، بیان شدہ الفاظ پر غور کرنے

---

[3] تفسیر انوار الجنف فی اسرا المصحف، جلد 11، صفحہ 197

سے ان پر اہل جمہور کے عقائد کی چھاپ نظر آتی ہے اگر یہ الفاظ سہوٗ نہیں تو پھر علامہ کے نزدیک حضورﷺ کی زندگی دو حصّوں میں منقسم تھی یعنی ایک ذاتی اور ایک بحیثیتِ رسول۔ یہ وہی عقیدہ ہے جو مولانا شبلی نعمانی کا ہے، اس طرح کا عقیدہ یہ ثابت کرتا ہے کہ حضورﷺ کا حضرت زینبؓ اور حضرت زیدؓ کے نکاح کا فیصلہ ذاتی نوعیت کا تھا جس کے غلط ہو جانے کا (نعوذ باللہ) انہیں احساس تھا، یا پھر یہ کہ وہ حضرت زینبؓ کے موقف کو درست مانتے تھے اور ایک اعلیٰ نسب خاتون کو ایک آزاد شدہ غلام کے نکاح میں دے کر نعوذ باللہ پشیمان تھے، اگر ایسا نہیں تھا تو بتایا جائے کہ لفظِ احساس کس شۓ کی نشاندہی کرتا ہے؟ اگر اُن کا یہ فیصلہ رسول اللہ کی حیثیت سے حکم الٰہی سے تھا تو یہ لفظ لکھنے کی جسارت کیونکر کی جاسکتی تھی، کیا رسول اللہﷺ اور اللہ کی مرضی میں اختلاف تھا؟ ان آیات کی روشنی میں اس عقیدہ کو کیسے درست مانا جاسکتا ہے

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى۔إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ [4]

اور وہ (رسول اللہ) اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا ہے۔ اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے

وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا [5]

اور تم لوگ تو صرف وہی چاہتے ہو جو پروردگار چاہتا ہے بیشک اللہ ہر چیز کا جاننے والا اور صاحب حکمت ہے

غالباً علامہ جاڑانے لفظ احساس آئیہ مبارکہ کے اس جملے کی وجہ سے اخذ کیا وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ۔ اور تم اپنے دل میں اس بات کو چھپائے ہوئے تھے جسے خدا

---

[4] سورہ النجم، آیت 3۔4

[5] سورہ دھر (انسان)، آیت 31

ظاہر کرنے والا تھا۔ علامہ جاڑا تو ایک حد پر رک گئے مگر دیگر علماء نے اس جملے کے ذیل میں جو باتیں کی ہیں وہ تو جسارت و گستاخی سے بھی بڑھی ہوئی ہیں، بہر حال اہل فکر و تدبر کے نزدیک یہ جملہ اس حقیقت کی طرف اشارۂ ربانی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبی اللہ تھے اور یہ جانتے تھے کہ زیدؓ اور زینبؓ کے درمیان نباہ نہیں ہو سکے گا اور نوبت طلاق تک آئے گی اور اللہ تعالیٰ انہیں ازواج النبیؐ میں داخل کرے گا، اللہ تعالیٰ کو اس بات کا ظاہر کرنا ہی منظور ہے، یعنی مشیّت الٰہیہ میں یہ پہلے سے طے شدہ امر تھا۔

علامہ جاڑا کی طرح ’حرمتِ بنات رسولؐ کے داعی علامہ غلام حسن شاہ کاظمی کو بھی کچھ یہی صورت حال درپیش ہوئی، اس واقع پر بحث کرتے ہوئے انھوں نے وہ کلمات ضبطِ قلم کر دئے جو اُن کے اپنے عقیدہ ہی کے خلاف ہیں، وہ فرماتے ہیں

> پھوپھی زاد بہن زینب جناب زید کو بیاہ دیں جو اصول و مناسبات مروجہ عصر نبوت کے بالکل خلاف اور بے جوڑ تھا، سرکار نے فطرت انسانی کا اس بارے میں مطالعہ کرنے کے لئے زید سے رشتہ تو کر دیا لیکن حکمتِ نبوت نے بتا دیا اور واقعات و نتائج نے اس کی تصدیق کر دی کہ آل ابراہیم کی فطرتِ صالحہ کا مطالبہ کیا ہے؟[6]

علامہ کاظمی جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں میرے بزرگوں میں سے ہیں اگر ان کے سہو پر خاموش رہوں تو اس آیت قرآنیہ کو کہاں لے جاوں وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَى[7]۔ اور جب بات کرو تو انصاف کے ساتھ چاہے اپنے اقربا ہی کے خلاف کیوں نہ ہو۔ اُن کی تحریر سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم بھی (نعوذ باللہ) محتاجِ مطالعہ اور مشاہدہ تھا اور آپؐ فطرت انسانی سے نا آشنا تھے یا پھر اس رشتہ کے استوار

---

[6] تعظیم الاشراف، صفحہ 158-159، مصنف علامہ غلام حسن کاظمی

[7] سورہ الانعام، آیت 152

کرنے میں انہیں تائید خداوندی حاصل نہ تھی چنانچہ ذاتی فیصلہ غلط نکلا جس کی تصدیق بعد ازاں حکمتِ نبوت نے کی، سوال اٹھتا ہے کہ جب یہ فیصلہ کیا جارہا تھا تو اُس وقت حکمتِ نبوت کہاں تھی؟ یہ ایک طے شدہ امر ہے کہ مشاہداتی علم' مشاہد کے بے علم و یقین ہونے پر دلالت کرتا ہے جس سے نجات کے لئے تجربہ کیا جاتا ہے، یہاں پر بھی شبلیت کا عنصر غالب ہوتا دکھائی دیتا ہے، حالانکہ علامہ کاظمی کے نزدیک حضورِ انورﷺ علم غائب جاننے والے تھے، علامہ مرحوم نے سرورِ کائناتﷺ کے علم غائب پر ایک کتاب تصنیف کی ہے جو ابھی حال ہی میں بعنون کاشفِ اسرار طبع ہوئی ہے، لہٰذا یہ اُن کا سہو یا اشتباہ ہے جسے دانستہ غلطی یا عقیدہ کی کمزوری پر معمول نہیں کیا جاسکتا، تاہم اس کے باوجود وہ اپنی کتاب تعظیم الاشراف میں حضرت زینبؓ بنت جحش کے حضرت زیدؓ کے ساتھ نکاح پر مضبوط اور استدلالی بحث نہیں کرسکے۔

فقہ امامیہ کے علماء ہمیشہ قرآن کی مندرجہ بالا آیت سے استنباط کرتے ہوئے حضورﷺ کی دوہری حیثیت کے عقیدہ کا ابطال کرتے آئے ہیں، لہٰذا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ نکاح کسی خصوصی علت کی وجہ سے انجام پایا ہے جس تک بہ نظرِ سطحی یا بغیر تحقیق و جستجو نہیں پہنچا جاسکتا، تفسیر نمونہ میں اس بات کا اقرار کیا گیا ہے کہ یہ شادی کوئی عام شادی نہیں تھی[8]۔ یہ کہنے کے بعد بھی جو وجہ بتائی گئی وہ نہ صرف سطحی ہے بلکہ اس واقعہ کے دور رس نتائج سے بھی کُلیّۃً صرف نظر ہے، یہاں پر یہ اقرار بھی ملتا ہے کہ یہ واقعہ پیغمبر اسلام ﷺ کی زندگی کے حسّاس مسائل میں سے ایک ہے اور آگے چل کر لکھا گیا ہے کہ

[8] تفسیر نمونہ، جلد 9، صفحہ 644

> قابل توجہ بات یہ ہے کہ قرآن ہر قسم کے شک و شبہ کو دور کرنے کے لیے پوری صراحت کے ساتھ اس شادی کا اصل مقصد بیان کرتا ہے جو زمانۂ جاہلیت کی ایک رسم توڑنے کے لیے تھا، یعنی منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ عورتوں سے شادی نہ کرنے کے سلسلے میں یہ خود ایک کلی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے کہ پیغمبر کا مختلف عورتوں سے شادی کرنا کوئی عام سی بات نہیں تھی بلکہ اس میں کئی ایک مقاصد کا ذکر کرنا مقصود تھا جو آپ کے مکتب کے مستقبل میں انجام سے تعلق رکھتا تھا۔

تفسیر نمونہ میں ایک نہایت ہی عمدہ سوال اٹھایا گیا ہے جو در حقیقت اس واقعہ کے حقیقی مقاصد کی طرف لے جاتا ہے مگر افسوس کہ اس کا اتنا ہی عامیانہ اور غیر عالمانہ جواب دیا گیا، سوال یہ ہے کہ

> ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ اس غلط رسم کو مٹانا تو ضروری تھا، لیکن اس کی کیا ضرورت تھی کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اس کے لیے عملی اقدام اٹھائیں؟ آپ یہ بھی کر سکتے تھے کہ اس مسئلے کو قانون کی صورت میں بیان کر دیتے اور دوسرں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے شادی کرنے کی ترغیب دلاتے۔[9]

جواباً یہ فرمایا گیا ہے

> لیکن توجہ رکھنا چاہیے کہ بعض اوقات ایک جاہلانہ اور غلط رسم کا خاتمہ خاص کر شادی بیاہ کے سلسلے میں اور وہ بھی ایسے افراد سے جو دُنیا کی نگاہوں میں کم حیثیت ہوتے ہیں، صرف گفتگو سے ممکن نہیں ہوتا، بلکہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر یہ کام اچھا ہے تو

---

[9] ایضاً صفحہ 650

پیغمبر اسے خود کیوں نہیں انجام دیتے؟ اپنے آزاد شدہ غلام کی مطلقہ بیوی سے خود شادی کیوں نہیں کرتے؟وغیرہ۔

خوف خدا کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹنا چاہیئے خصوصاً اُس وقت جب قرآن و رسولؐ کے متعلق کسی معاملہ پر بحث و گفتگو ہو، من گھڑت توجیہات و تاویلات اور قیاس پر مبنی جواب حکمتِ الٰہیہ کا تمسخر اڑانے کے مترادف ہوتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس معاملے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو شامل کرنے کا خاص مقصد تھا جو یہ نہیں کہ فقط جاہلیت کی ایک رسم کو ہی توڑنا مقصود تھا، یہ واقعہ جناب زیدؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا کہے جانے کے تناظر میں وقوع پذیر ہوا ہے،لوگوں کی اس حرکت سے اللہ تعالیٰ غضبناک ہو کر کہتا ہے مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ[10]۔یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اس واقعہ سے کئی امور ظاہر و ثابت ہوتے ہیں جو ایک تسلسل کے ساتھ ایک خاص نتیجہ کی طرف راہنمائی کرتے ہیں، اس سارے واقعہ اور اس کے پس منظر میں مندرجہ ذیل اہم نکات ہیں

1. لوگوں کا جناب زیدؓ کو رسولؐ اللہ کا بیٹا کہنا
2. اللہ کا اس پر غضب ناک ہونا
3. رسم جاہلیت کا خاتمہ
4. اللہ تعالیٰ کا ایک انتظامی حکم جاری کرنے کے بجائے حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو عملاً اس رسم کے خاتمہ میں شامل کرنا

[10] سورہ الاحزاب،آیت 40

5. حضرت زینبؓ کا نکاح پر اعتراض کرنا
6. آیت کا نزول ہونا کہ مومن کے پاس اللہ اور اُس کے رسول کے حکم کو ماننے کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں
7. حضرت زینبؓ کو ام المومنین بنائے جانے کا خدائی حکم

قارئین کرام! تاریخ گواہ ہے کہ حضرت زیدؓ بن حارثہ نے کبھی بھی خود کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا ظاہر نہیں کیا، اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اُنہیں بیٹا نہیں کہا۔ لوگوں نے اُنہیں خود ہی بیٹا کہنا شروع کر دیا تھا، اس بات کے عام ہونے سے اندیشہ تھا کہ لوگ حضرت زیدؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام شرف و فضائل کا حامل اور وارثِ رسولؐ سمجھ بیٹھیں گے، لوگوں کا ایسا سمجھنا یا مشہور کرنا منشائے الٰہیہ کے خلاف تھا جس کی رد کرنا اللہ تعالیٰ کے پورے نظام اصطفائیت کو بچانا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت اللہ کی منتخب نسل سے تھی جس کی اصطفایت کو اللہ نے مخصوص و محفوظ رکھا تھا اس پر قرآن کی آیات مبارکہ شاہد ہیں

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ۔ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ[11]

اللہ نے آدم، نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب کر لیا ہے۔ یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے اور اللہ سب کی سننے والا اور جاننے والا ہے۔ (ترجمہ شیخ محسن علی نجفی)

---

[11] سورہ ال عمران آیت 33،34

اس خصوصی سلسلۂ نسب میں جسے اللہ تعالیٰ نے خود ایک نسل کہہ کر پکارا ہے حضرت زیدؓ شامل نہیں تھے، اگر اُنہیں رسول اللہ کا بیٹا تسلیم کر لیا جاتا تو پورے سلسلۂ نسب کی طہارت اور پاکیزگی مشکوک ہو جاتی، اہمیتِ نسب و نسل بے کار ہو کر رہ جاتی، اور اولادِ رسول میں اغیار کے داخلہ کا ایک لامتناہی راستہ کُھل جاتا، اس سارے قضیے کا محرک زمانۂ جاہلیت کی وہ رسم تھی جس میں لے پالک اور گھر میں پلنے والے بچوں کو صاحبِ خانہ کی اولاد میں داخل سمجھا جاتا تھا،

> اس زمانے میں عربوں میں دستور تھا کہ اگر کوئی شخص کسی کی اولاد کی پرورش کرتا تھا تو وہ اس کی اولاد کہی جاتی تھی[12]۔

اسی طرح زمانہ جاہلیت کی ایک رسمی بددیانتی بھی عبد شمس بن عبد مناف کی اولاد کے ساتھ روا رکھی گئی تھی جس کے اثرات آج تک دینِ محمدی پر باقی ہیں، اُمیّہ جناب عبد الشمس سے فقط منسوب تھا اور اسی رسم جاہلانہ کے تحت شجرہ خبیثہ کے موسّس کو ان کا بیٹا بنا دیا گیا، مولانا نجم الحسن کراروی اعلی اللہ مقامہ، شاعرِ رسولؐ حسان بن ثابت اور مولانا ابو الکلام آزاد کے حوالوں سے واضح طور پر لکھتے ہیں کہ اُمیّہ عبد الشمس کا بیٹا نہیں تھا[13]۔ جناب زیدؓ جو کہ ایک سچے صحابیِ رسول تھے اور اُن سے رسولؐ اللہ کو بہت پیار بھی تھا مگر ان کا معاملہ بھی اُسی نہج پر سامنے آ رہا تھا، اس نسبت کو اللہ تعالیٰ نے پنپنے

---

[12] الخلفاء، جلد اول، صفحہ 182، مصنف مولانا فروغ کاظمی، لکھنو
[13] چودہ ستارے، صفحہ 204، مولانا نجم الحسن کراروی

نہیں دیا مگر اس کے باوجود لوگوں نے اپنا خرافاتی عمل پیہم جاری رکھا جس کا ثبوت بعض کتابوں میں اب تک ملتا ہے

> آنحضرت صلعم زید اور اُس کے والد اور چچا کو مقام حجر تک لے گئے اور بآواز بلند فرمایا کہ اے حاضرین تم لوگ گواہ رہو کہ زید میرا بیٹا ہے وہ میرا وارث ہوگا اور میں اُس کا وارث ہونگا۔[14]

اسْتَغْفِرُواْ اللہ ربی و أَتُوبُ إِلَيْهِ! صاحب کتاب کی جسارت بلکہ جہالت دیکھی آپ نے، وہ نہ صرف بیّن و محکم آیت قرآنی کو جھٹلا رہے ہیں وہ بھی ایک من گھڑت حدیث کو لا کر، گویا یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ نعوذ باللہ نقل کفر' کفر نہ باشد کہ حضور اکرمؐ اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کرتے ہوئے زیدؓ کو اپنا بیٹا کہہ رہے ہیں۔ یہ ہی وہ اصل محرک تھا کہ جس کے رفع کر دیئے جانے کے لئے ضروری تھا کہ اس رسم کی بیخ کنی کی جائے، چونکہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت اور شرف و فضیلتِ نسبی پر براہ راست زد پڑ رہی تھی اسی لئے جناب ختمی مرتبت کی ذاتِ اقدس کو اس رسم کے خاتمہ کے لئے عملاً شامل کیا گیا، وگرنہ دیگر احکامات کی طرح فقط ایک انتظامی حکم (executive order) ہی اس کے خاتمہ کے لئے کافی ہوتا۔ ایک مسلم و مومن کی کیا مجال ہے کہ وہ دین کے کسی حکم پر معترض ہو اور یہ کہنے کی جسارت کرے کہ حضورؐ خود کر کے دکھائیں گے تو ہی مانے گا، دین کے احکامات لوگوں کے خوف' مرضی اور منشاء سے نہیں آئے کہ اُن کے نہ ماننے اور معترض ہونے کی کوئی گنجائش رکھی گئی ہو، اصل

---

[14] حضرت زید رضی اللہ عنہ، صفحہ 22، مصنف خواجہ محمد عباد اللہ اختر امرتسری، مطبوعہ 1911

معاملہ آلِ محمدؐ کے شرف و فضیلت کا ہے، اس آیت قرآنی کی ساخت واضح طور پر عندیہ دے رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی حرکت پر غضب ناک ہو کر کہہ رہا ہے مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ [15]۔ یعنی محمدؐ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ چنانچہ بعد کے ادوار میں ہمیں امام جعفر صادقؑ کا ایک قول بھی اس کی تصدیق کرتا ہوا ملتا ہے، وہ فرماتے ہیں ہمیں یہ پسند نہیں ہے کہ جو شرف اللہ نے بخشا ہے اس میں ہم کسی ایسے کو شریک کریں جسے اللہ نے ہمارے جیسا شرف نہیں دیا ہے [16]۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کے حال سے باخبر ہے اسی لئے وہ الفاظ بدل کر ایک دوسرے مقام پر اپنی بات کا اِعادہ کرتا ہے

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ [17]

بیشک نبی تمام مومنین سے ان کے نفس کی بہ نسبت زیادہ اولیٰ ہے اور ان کی بیویاں ان سب کی مائیں ہیں

اس آیہ مبارکہ میں وہ ازواج نبیؐ کو مومنوں کی مائیں قرار دیتا ہے مگر یہ نہیں کہتا کہ رسولؐ مومنوں کے باپ ہیں بلکہ انہیں مومنین کے نفسوں سے اولیٰ قرار دیتا ہے، ازواج نبیؐ بھی مومنین کی فقط تعظیمی مائیں تھیں کیونکہ صُلبی ماؤں سے اولاد پردہ نہیں کرتی لیکن ان تعظیمی ماؤں سے پردہ کو لازم قرار دیا گیا، اللہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی شخص دل میں بھی اُن کی تعظیم کے معارض خیال لائے، حکم ہوا وَلَا أَن

---

[15] سورہ الاحزاب، آیت 40

[16] بحار الانوار، جلد ہشتم، ص 244، ترجمہ مولانا سید حسن امداد، کراچی

[17] سورہ احزاب آیت 6

تَنکِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدً [18]۔ اور تم ازواج نبی سے اس کے بعد ہمیشہ کے لئے کبھی نکاح نہ کرنا۔ چونکہ وہ دیگر قبیلوں سے حرم نبیؐ میں آئی تھیں اسی لئے اُن کے ساتھ نکاح کی صراحتاً وضاحت کی گئی اور کہا گیا کہ وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ ذَلِكُمْ أَطْهَرُ لِقُلُوبِكُمْ وَقُلُوبِهِنَّ [19]۔ اور جب بھی تم ان سے کوئی شئ مانگو تو پردہ کے پیچھے ہو کر مانگو کہ یہ امر تمہارے اور ان کے دلوں کا پاک رکھنے والا ہے۔

پس حضرت زینب بنت جحش کو حکم و تعظیم محمدﷺ کے سامنے سر جھکانے اور تحفظِ تطہیر آل محمدﷺ کے لئے قربانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ام المومنین کا رتبہ عطا کیا و گرنہ حضورﷺ حضرت زید سے پہلے بھی اُن سے نکاح کر سکتے تھے، یہ رتبہ عطا کیا جانا کوئی حیرت انگیز بات نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے نبی حضرت یوسفؑ کی فقط جان بچانے والے کی اولاد میں نبوّت کو جاری کر سکتا ہے تو فخر انبیاء ختمی مرتبت حضرت محمدﷺ کی آل کی تطہیر کے لئے قربانی پیش کرنے والی خاتون کو ام المومنین کیوں نہیں بنا سکتا۔

تفسیر نمونہ کے مصنفین نے یہ عندیہ دیا کہ پیغمبر کا مختلف عورتوں سے شادی کرنا کوئی عام سی بات نہیں تھی بلکہ اس میں کئی ایک مقاصد کا ذکر کرنا مقصود تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں وہ فقط ایک ہی مقصد پر رک گئے اور حضرت زینبؓ کے واقعہ کے دیگر مقاصد پر فکر و تدبر نہیں کیا گیا۔ یہ واقعہ حضرت ختمی مرتبﷺ کی ذریّت کے شرف و فضیلت سے جڑا ہوا ہے، حیرت ہے کہ لوگوں نے

[18] سورہ الجرات آیت 53
[19] سورہ احزاب 53

اپنے قیاس کو درست ظاہر کرنے کے لئے حضرت زینب کی زبردست کردار کشی کی اور انہیں بدمزاج و بدزبان، جھگڑالو، شوہر کی عزت و فرمابرداری نہ کرنے والی، اور نسب کی بنیاد پر مغرور و متکبر خاتون ثابت کرتے رہے تاکہ نسبی فضائل کے خلاف ہرزہ سرائی کر سکیں حالانکہ وہ تو ایک راست باز، منصف مزاج، سخی، اور فیاض خاتون تھیں جو اپنے ہاتھوں سے کام کر کے یتیموں اور محتاجوں کی مدد کرتی تھیں، علامہ جاڑانے البتہ حضرت زینب کو ایک خود دار اور شریف النفس خاتون کہا ہے، لیکن بدبخت دشمنوں نے افسانوی کہانیاں خوب گھڑیں اور یہ تک کہہ گئے کہ حضرت زینب تو کریہہ المنظر تھیں اس وجہ سے اُن کی شادی کے وقت عمر پینتیس (35) برس تھی کیونکہ کوئی بھی آپ کا خواہسگار نہ تھا، یعنی یہاں بھی الزام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ آپ نے زیدؓ کے ساتھ انصاف نہیں کیا اور ایک بدصورت عورت اُن کے پلّو سے باندھ دی۔ ان افراد کو اپنی ہی باتوں میں تضاد نظر نہ آیا کہ اگر وہ بدصورت تھیں تو ایسی عورت کیوں کر اس قدر مغرور ہو سکتی ہے بلکہ اسے تو رشتہ طے ہونے پر شکر گزار اور شوہر کا انتہائی فرمابردار ہونا چاہیئے تھا۔ آیت قرآنیہ کے ابتدائی حصّہ پر غور و تدبر کرنے سے یہ معاملہ بھی صاف ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَإِذْ تَقُولُ لِلَّذِي أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَأَنْعَمْتَ عَلَيْهِ أَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللَّهَ[20]

اور اس وقت کو یاد کرو جب تم اس شخص سے جس پر خدا نے بھی نعمت نازل کی اور تم نے بھی احسان کیا یہ کہہ رہے تھے کہ اپنی زوجہ کو روک کر رکھو اور اللہ سے ڈرو

[20] سورہ احزاب، آیت 37

آیت کے اس حصّہ میں اللہ تعالیٰ حضرت زینب کی نہیں بلکہ حضرت زید کی سرزنش کر رہا ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت نازل کی اور حضورﷺ نے بھی احسان کیا لہذا وہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دیں اور اللہ تعالیٰ سے ڈریں، اگر حضرت زینب اس علیحدگی کی محرک ہوتیں تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان کی سرزنش کرتا، یہ عجیب بات ہے کہ ایک بدشکل، بدزبان، اور مغرور عورت کو بیاہ کر ظلم بھی زید پر ہو اور ڈانٹا بھی انہیں جائے، یہ کہاں کا انصاف ہے اور وہ بھی اُس اللہ سے جو یہ کہتا ہو وَلاَ تُظْلَمُونَ فَتِيلاً[21]۔ اور تم پر دھاگہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یہ درست ہے کہ طلاق ایک انتہائی ناگوار عمل ہے مگر شرعاً اس کو ناگزیر حالات میں جائز رکھا گیا ہے چنانچہ اگر حضرت زینب بدزبان تھیں، کریہہ المنظر تھیں، شوہر کی تحقیر کرتی تھیں اور نباہ نہیں کرنا چاہتی تھیں تو طلاق کے حق کے استعمال پر سرزنش نہیں کی جا سکتی، دوسری طرف اگر حضرت زینب کی کوئی ایسی خواہش ہوتی تو وہ خُلع کا حق رکھتی تھیں مگر اُنہوں نے ایسا کوئی قدم نہیں اُٹھایا۔

پس اس واقعہ کی من گھڑت اور قیاسی توجیہات یہ ہرگز ثابت نہیں کرتیں کہ فقط رسم جاہلیت کو ہی ختم کرنے کے لئے حضورﷺ کو ایک عملی قدم اُٹھانے کی ضرورت تھی اگر ایسا فرض کر لیا جائے گا تو وہ تمام اُمور و مقاصد منہدم ہو جاتے ہیں جن کے لئے اس واقعہ کو نظیر بنایا گیا ہے، اللہ اور اُس کے رسول پر اتہام ظاہر ہوتے ہیں جو کفر تک لے جاتے ہیں، اور نہ ہی اس شادی کو ایک مثال بنا کر نسب و نسل کے

---

[21] سورہ النساء 77

امتیازات کو غیر اسلامی ثابت کیا جا سکتا ہے۔ ہم یہ پہلے ہی ثابت کر چکے ہیں کہ حضورﷺ کی آل دیگر بنو ہاشم سے بلند تھی، حضرت زینب تو ہاشمی بھی نہیں تھیں بلکہ اسدی تھیں، چنانچہ اس واقعہ سے اللہ تعالیٰ نے رسم جاہلیت کو ختم کیا، ابنیتِ محمدﷺ میں کسی بھی طور سے داخلہ کو ممنوع قرار دیا، اور آل محمدﷺ کے علاوہ دیگر تمام افرادِ انساب (بشمول دیگر تمام بنی ہاشم) کے تناسب نکاح کو مومنین امت میں جاری کیا۔

حضرت صباغہؓ بنت زبیر کا نکاح

آل محمدﷺ کی نسبی تطہیر کے لئے اسی طرح کی ایک اور پیش بندی حضرت صباغہؓ بنت زبیر بن عبد المطلب ہاشمیہ کا عقد حضرت مقدادؓ بن الاسود سے ہونا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ آل محمدﷺ کی فضیلت و شرف میں دیگر ہاشمی بھی شریک نہیں، جیسے قریش سے بنو ہاشم فاضل ہوئے، بالکل اُسی طرح بنو ہاشم سے آلِ محمدﷺ فاضل کئے گئے ہیں۔

عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْأَسْقَعِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: إِنَّ اللهَ اصْطَفٰی كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاصْطَفٰی قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ، وَاصْطَفٰی بَنِي هَاشِمٍ مِنْ قُرَيْشٍ، وَاصْطَفَانِي مِنْ بَنِي هَاشِمٍ[22]۔

---

[22] أَحْسَنُ الصِّنَاعَة فِي إِثْبَاتِ الشَّفَاعَة، صفحہ 182، مصنف ڈاکٹر طاہر القادری

حضرت واثلہ بن اسقعؓ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یقیناً اللہ تعالیٰ نے اولادِ اسماعیلؑ سے کنانہ کو چنا، کنانہ سے قریش کو چنا، قریش سے بنی ہاشم کو چنا، مجھے بنی ہاشم سے چنا۔

اس عقد کو بھی حضور ﷺ نے اپنے دست مبارک سے انجام دیا، امام رضا علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کی ایک روایت بیان کرتے ہیں

لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہم اپنی بیٹیوں کا رشتہ کس سے کریں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ہم سروں سے رشتہ کرو۔ لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم سر کون ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: مومن ایک دوسرے کے کفؤ ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے منبر سے اترنے سے پہلے صباغہ رضی اللہ عنہ بنت زبیر بن عبدالمطلب کا نکاح مقداد رضی اللہ عنہ بن اسود سے کر دیا۔ پھر آپ نے فرمایا: لوگو! میں نے اپنی چچا زاد بہن کا نکاح مقداد سے اس لئے کیا تا کہ نکاح میں آسانی پیدا ہو جائے اور احکام نکاح کی وضاحت ہو سکے[23]۔

سبحان اللہ! نبیؐ اپنے فعل سے وضاحت فرما رہے ہیں اور امت اُن کے اسی عمل کی غلط تاویلات کو اُن کی ہی آل پر آزما رہی ہے، یہاں پر بھی وہی صورت حال ہے جو امت نے رسول اللہ ﷺ کے خم غدیر کے قول کے ساتھ روا رکھی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے خطبۂ غدیر خم میں فرمایا ہے کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، چنانچہ سب برابر ہیں، سیّد تو بے جاہ فخر و

[23] عیون اخبار الرضا، جلد اول، صفحہ 504-505، مصنف شیخ صدوق ابن بابویہ

تکبر کا شکار ہیں۔ اس استدلال اور اعتراض پر کیا بحث کی جائے مگر ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی موجودگی میں اتنی بے رحمانہ روش کو اختیار نہیں کیا جانا چاہئے کہ دین ہی منہدم ہو جائے۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو یا اپنی ذریّت کو اس حکم میں شامل کیا ہے، اگر جواب نہیں میں ہے تو معاملہ صاف ہے، اگر جواب اثبات میں ہے تو پہلے اپنے دین اور عقیدہ کی خبر لیجئے کہ ذریّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معصوم و غیر معصوم دونوں شامل ہیں اور اُنہیں اپنے جیسا سمجھنا کفر اور وہابیت تو ہو سکتی ہے اسلام و شیعت نہیں۔ آپؐ نے اپنی آل و ذرّیت کو اس میں داخل نہیں فرمایا بلکہ حضرت صباغہ کا نکاح یہ ثابت کرتا ہے کہ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت و شرف میں دیگر ہاشمی بھی شریک نہیں، جیسے قریش سے بنو ہاشم فاضل ہوئے، بالکل اُسی طرح بنو ہاشم سے آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاضل کئے گئے ہیں، لہٰذا امت کے عمومی احکامات کو آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جاری نہیں کیا جا سکتا، اور نہ ہی لوگوں کے اپنے وضع کردہ مفاخرانہ معیارات کی دین میں کوئی جگہ ہے، چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکم خدا اور رسولؐ کی حقیقی غرض و غائیت اور ماہیت تک رسائی حاصل کی جائے وگرنہ بڑی نازک صورت حال پیدا ہو جاتی ہے۔

باب پنجم

حدیثِ رسولؐ

اکثر مولوی صاحبان اور قائلینِ جواز حدیثِ نبوی بناتِنَا لِبَنِیْنَا وَبُنونَنَا لِبَنَاتِنَا [1] کے حوالے سے اعتراض کرتے ہیں کہ اگر ہمارا موقف درست ہے تو پھر ہم اس حدیث کے صرف اول حصّہ کو ہی کیوں لیتے ہیں؟ دوسرے حصّہ پر بھی عمل کرنا چاہئے، یعنی سادات کو دیگر انساب کی خواتین سے شادیاں بھی نہیں کرنا چاہیں کیونکہ حدیث کا دوسرا حصہ کہتا ہے کہ ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لئے ہیں، کیا اس طرح ساداتِ بنی فاطمہ کا غیر سادات خواتین سے نکاح اس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نافرمانی ثابت نہیں ہوتا؟ یہ اعتراض وارد کرنے والے احباب سے گزارش ہے کہ اپنی فہم و بصیرت کو درست پیرائے میں استعمال کیجیے اور اپنی رائے کو ہر گز حتمی نہ سمجھیں وگرنہ دینی امور میں قیاس کے مرتکب ہوں گے، حدیث کے حقیقی مفہوم تک رسائی قرآن کریم اور سیرتِ معصومین علیہم السلام کی روشنی میں ہی ہونا چاہیے۔ اس حدیث سے متعلق دو نظریات ہمارے سامنے آئے ہیں یعنی کچھ احباب نے اسے فن اسماء الرجال کے حوالے سے ضعیف، مرسُل، اور منقطع ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اور کچھ نے اپنی منطق سے وہ مفہوم اخذ کیا جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔

---

[1] من لا یحضرۃ الفقیہ، جلد 3، صفحہ 241، مصنف الشیخ الصدوق

تاریخ گواہ ہیں کہ فن اسماء الرجال کی ایجاد مذہب حقہ کے خلاف ایک حربے کے طور پر کی گئی جس کا مقصد شیعہ راویانِ حدیث کو جھوٹا قرار دیتے ہوئے اُن کی روایتوں کو مسترد کرنا تھا۔ ایک اہل سنت مصنف اس فن کی تدوین کے بارے میں لکھتے ہیں

فتنے سب سے پہلے کوفہ اور بصرہ سے اُٹھے، اس لیے علم (اسماء الرجال) کی تدوین و تنقیح پہلے یہیں ہونی ضروری تھی، کوفہ میں دو علمی مرکز تھے (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (۳۲ھ) کا اور (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۴۰ھ) کا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بنتے ہی مسلمانوں کا سیاسی اختلاف عراق میں اُمڈ آیا اوراس راستے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حلقے میں بہت سے غلط لوگ آشامل ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں وہ ان اختلافات کو دینی اختلاف نہ بنا سکے؛ لیکن آپ کے بعد انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام سے بہت سی غلط باتیں کہنی شروع کردیں؛ اس ورطۂ شبہات میں انہوں نے دین کا بنیادی تصور تک بدل ڈالا، یہ اسلام میں فرقہ بندی کی طرف پہلا قدم تھا، اہل حق کے لیے اب صرف ایک ہی سلامتی کی راہ تھی؛ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وہی روایات قابل اعتماد سمجھی جائیں جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے واسطہ سے آئیں... صرف اہل باطل ہی صحابہ سے بے تعلق رہتے ہیں، اہل حق ہمیشہ ان کی پیروی کرتے آئے ہیں۔ علم اسماء الرجال کا احساس یہیں سے پیدا ہوا

ایک دوسرے اہل سنت امام ابن سیرین (۱۱۰ھ) کہتے ہیں جب فتنے اٹھے تو علماء نے طے کیا کہ اب صرف اہل سنت سے ہی روایات لی جائیں گی چنانچہ لکھتے ہیں

سَمُّوا لَنَا رِجَالَكُمْ فَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ السُّنَّةِ فَيُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ وَيُنْظَرُ إِلَى أَهْلِ الْبِدَعِ فَلَا يُؤْخَذُ حَدِيثُهُمْ۔[2]

اپنے رواتِ حدیث کے نام بتاؤ، دیکھا جائے گا کہ اہل سنت کون ہیں انہی کی روایات لی جائیں گی، اہلِ بدعت کا بھی پتہ لگایا جائے گا اوران کی احادیث نہ لی جائیں گی

چنانچہ چھانٹ چھانٹ کر شیعہ راویانِ حدیث کو اہل بدعت قرار دیا گیا اور ان کی روایات کو ضعیف، موضوع، وضعی وغیرہ وغیرہ قرار دیا گیا، اس فن کے موجدین نے جو طریقہ کار اختیار کیا اس کی ایک جھلک ان کے اپنے ہی عالم دین مولانا عبدالقیوم جونپوری فرماتے ہیں

مجھے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جو کتابیں اسماء الرجال میں لکھی گئی ہیں عام اس سے کہ وہ متقدمین کی ہوں یا متاخرین کی ان میں تعصبات مذہبی کے علاوہ ذاتی مناقشات اور فروعی اور سیاسی اختلافات اور ہم عصری نوک جھونک کی بنا پر لوگوں کی جرح کی گئی ہے ،بعض حضرات نے تو ایسے امور کو بھی جرح کا باعث قرار دے دیا کہ جو نہ شرعی اور نہ اخلاقی اور نہ عرفی حیثیت سے قابل اعتراض ہیں، جیسے کھنکار کر تھوکنا یا سیروسیاحت میں گھوڑے دوڑانا یا مطلقا خوش طبعی یا مطلقا نوعمری یا قلت روایت یا مسائل فقہیہ یا دیگر علوم میں مشغولیت وغیرہ۔[3]

---

[2] مسلم، باب حدثنا ابو جعفر محمد بن الصباح: 34/1

[3] www.anwar-e-islam.org/node/222 علم اسماء الرجال کی ضرورت

اس علم پر اب ہمارے بعض علماء کو بھی بہت ناز ہے اور یہ آسان ہے کہ شیعہ راویان کے خلاف جمہور کی جمع شدہ تعصباتی مواد کی بنیاد پر کوئی بھی شخص اپنے موقف کے معارض روایات کو ضعیف و مرسل قرار دے دے، لیکن اس کے برعکس شیعہ محدِثین اور فقہاء اس فن میں اپنی ماہرانہ صلاحیتوں سے آج تک حتمی طور پر یہ فیصلہ تو کر نہیں سکے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی ایک بیٹی تھی کہ چار۔ سوال یہ ہے کہ اِس زمانے کے شیعہ علماء کے پاس اہل سنت کے جمع کردہ متعصب مواد کے علاوہ وہ کون سے ذرائع ہیں جن کی بنیاد پر وہ آج سے آٹھ سو، یا ہزار سال قبل کے راویوں کی صحت و ثقاہت پر تبصرہ کر سکیں؟ عوام الناس کو تو فقط صحیح، ثقہ، اور ضعیف و مرسل کے الفاظ سے ہی جھانسا دیا جا سکتا ہے، وہ کیا جانیں کہ فن اسماء الرجال کیا شۓ ہے، ایسے فن کاروں کی نظریں کیوں نہیں یعقوب کلینی علیہ رحمہ کی بیان کردہ معصوم علیہ السلام کی اس روایت پر پڑتیں

اے برادر! خُدا تیری ہدایت فرمائے، آگاہ ہو کہ کسی شخص کو یہ اختیار نہیں دیا گیا، کہ آئمہ علیہم السلام کی احادیث کے بارے میں راویوں کے اختلافات کو موضوعِ بحث بنائے اور ان احادیث کو قبول یا رد کرنے کا دعویٰ کرے، یاد رکھ کہ معصومین علیہم السلام نے صحیح حدیث کی پہچان کا خود یہ معیار بتایا ہے کہ "حدیث کے متن کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھو۔ اگر قرآن اس متن کو قبول کرے تم بھی قبول کرلو اور اگر قرآن اسے قبول نہ کرئے تو تم بھی قبول نہ کرو"۔[4]

[4] ثواب الاعمال و عقاب الاعمال، صفحہ 17

حقیقتاً فن اسماء الرجال اس قابل نہیں کہ شیعہ امامیہ اس پر اعتبار کر سکیں، جبر و استبدادِ زمانہ اور معاندین کی ریشہ دوانیوں نے کتنے ہی محبانِ اہلبیت کو تسلسل کے ساتھ روایات کو بیان نہیں کرنے دیا، جنھوں نے بیان کیں انہیں جھوٹا، بدعتی، اور ضعیف قرار دیا جاتا رہا، شیعہ راویان کے لئے احادیثِ رسولؐ اور روایتِ معصومینؑ کو بیان کرنا کتنا مشکل تھا اس بات کا عندیہ علامہ مجلسی دیتے ہوئے کہہ گئے ہیں کہ مجھے جو حدیث و روایت جہاں سے ملی اسے جمع کر دیا ہے ان کی صحت کی تصدیق کے ذرائع انہیں نہ تو میسر تھے اور نہ ہی حالات اس کی اجازت دیتے تھے، اسی طرح عباسِ قمی نے بعض اہل سنت کے عاملوں کی دعائیں اپنی کتاب مفاتح الجنان میں بیان کی ہیں تاکہ ان کی آڑ میں معصومینؑ کا کلام بعد کے ادوار کے محبان تک پہنچ سکے، اب اس فن اور اس کی کتب کی بنیاد پر کہ جس کی ایجاد ہی شیعہ راویوں کو مسترد کرنا ہے یہ کہہ دینا کہ فلاں روایت ضعیف یا منقطع ہے کہاں کا انصاف ہے، کیوں نہیں قولِ معصوم پر عمل کرتے ہوئے روایات کو قرآن پر منطبق کر کے فیصلہ کیا جاتا؟

اس حدیث کے متعلق دوسرا نکتہ نظر وہی منطق و تاویل ہے جس کے ذریعے حضرت زینبؓ بنتِ جحش اور حضرت صباغہؓ بنت زبیر کی غیر ہاشمی افراد سے مناکحت کو ایک دلیل بنا کر سیّد زادی فاطمیہ کے غیر فاطمی افراد سے نکاح کا جواز پیدا کیا گیا ہے۔ اگر فقط عقلی طور پر ہی اس حدیث مبارکہ بناتِنَا لِبَنِیْنَا وَ بُنونَنَا لِبَنَاتِنَا کا جائزہ لیا جائے تو ذہن میں فوراً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو مفہوم معترض نے اخذ کیا ہے اس کے تحت فاطمی سیّد کی غیر سیّد عورت سے شادی کی ممانعت کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ ہمارا موقف ہے کہ سیّد زادی فاطمیہ کی نسبی فضیلت کی وجہ سے اُسے مفضول کی

حاکمیت میں نہیں دیا جا سکتا، جبکہ دوسری طرف سیّد مرد کے ساتھ غیر فاطمی عورت کے نکاح کو کون سا امر چیلنج کرتا ہے؟ اگر ایسا کوئی امر معترض کی نظر میں ہے تو ثابت کریں، اگر ایسا کوئی امر نہیں ہے تو پھر عربی زبان سے تھوڑی آگہی حاصل کر کے حدیث مبارکہ کے درست مفہوم تک پہنچنے کی سعی کی جانی چاہیے۔

عربی زبان کا ایک قرینہ ہے کہ ایک ہی جملے کے تکرار سے بیان کئے جانے والے امر کے لئے اصرار و تاکید کا وصف پیدا کیا جاتا ہے جیسے کہ ایک دوسری حدیثِ مبارکہ سے ظاہر ہے، حضور اکرام ﷺ کا فرمان ہے۔الحق مع العلی و العلی مع الحق۔علی علیہ السلام حق کے ساتھ ہیں اور حق علی علیہ السلام کے ساتھ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایک ہی امر کو دو جملوں میں بیان فرمایا ہے یعنی علی علیہ السلام کا حق پر ہونا اور تاکید و اصرار یہ ہے کہ حق کہیں اور ہو ہی نہیں سکتا۔ اب زیر بحث حدیث پر نظر کیجئے یعنی بناتِنَا لِبَنِیْنَا وَ بُنونَنَا لِبَنَاتِنَا۔ ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کے لئے ہیں اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لئے ہیں۔ یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ حدیث مبارکہ صرف بیٹیوں کے متعلق حکم کو ظاہر کرتی ہے اور تاکیداً ظاہر کرتی ہے کہ رسول زادیوں کے نکاح کسی دوسرے نسب کے فرد سے ہر گز جائز نہیں، اس پر یہ بھی دلیل ہے کہ نکاح میں کفوٗ کی شرط صرف عورتوں کے لئے ہے وگرنہ خود حضورِ اکرم ﷺ اور معصومین علیہم اسلام اپنے سے کمتر افراد میں رشتے نہ کرتے، چنانچہ اسی مفہوم کو حضراتِ معصومین علیہم اسلام نے اپنی ظاہری زندگیوں میں اول دن سے جاری فرمایا اور غیر ساداتِ سے رشتے لئے، یہ ہی وجہ ہے کہ ساداتِ کرام آج بھی اس پر عامل

ہیں۔ اس کے بر عکس کیا معترض حضرات اپنے مفہوم کے حق میں ہمیں ایک بھی ایسی مثال دے سکتے ہیں کہ معصوم نے اپنی کسی بیٹی یا ہمشیرہ کو کسی غیر فاطمی فرد کے نکاح میں دیا ہو؟ ہمارے مفہوم پر عملِ معصومین دلیلِ محکم ہے۔ ہم نے یہ بیان کر دیا ہے کہ قرآن کسی بھی قسم کے ظلم کو ہر گز قبول نہیں کرتا بلکہ ظالمین پر لعنت کرتا ہے اور انہیں عذابِ جہنم کی بشارت دیتا ہے، اسی طرح یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ فاضل کو مفضول کے تسلط میں دینا ظلم ہے لہٰذا یہ حدیث مبارکہ امت کو بناتِ رسول ﷺ کو اپنی خواہشاتِ نفسی کی بھینٹ چڑھانے سے روکتی ہے چہ جائیکہ اسی حدیث کو نفسانی خواہش کے تکمیل کے لئے موجب اعتراض بنا دیا جائے۔

اس حدیثِ مبارکہ کا متن قرآنِ مجید کی مندرجہ ذیل آیت کی بھی تشریح و توضیح کرتا ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ غضبناک ہو کر کہتا ہے مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ ۔[5] یعنی محمد ﷺ مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ کوئی اُمتی جو اولادِ رسولؐ میں سے نہ ہو وہ کسی بھی طرح خود کو ابنیتِ رسول میں ظاہر کرے۔ یہ رواجِ زمانہ ہے کہ داماد کو مثلِ فرزند سمجھا جاتا ہے اگر سیّد زادی فاطمیہ کی مناکحت کو غیر فاطمی مرد سے جائز مانا جائے تو فضیلتِ وابنیتِ رسولؐ میں نقب لگانے کا ایک موقعہ پیدا ہو جاتا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ لوگوں نے انہی رشتوں کی بنیاد پر خود کو سیّد یا آدھا سیّد بیان کیا ہے، مفروضہ دامادِ رسولؐ کو عظمتوں کی بلندی پر ظاہر کرتے ہوئے ذوالنورین جیسے خطابات سے نوازا ہے، بہت سوں نے تو سیّد انی ماں کی

[5] سورہ الاحزاب، آیت 40

نسبت سے خود کو مقامِ فضیلت پر بلند خیال کرتے ہوئے اپنے نام کے ساتھ میرزا لکھا ہے حالانکہ قرآن واضح طور پر حکم دے رہا ہے کہ ظلم سے اجتناب کرو اور ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ [6]۔ ان (اولاد) کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو کہ یہی اقسط (عدل) ہے۔ اللہ سبحان تعالیٰ انسانی طینت کا خالق ہے وہ جانتا ہے کہ انسان نے کیا کرنا ہے لہٰذا اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے وَلاَ تَتَمَنَّوْاْ مَا فَضَّلَ اللّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ [7]۔ اور خبردار جو خُدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیادہ دیا ہے اس کی تمنّا اور آرزو نہ کرنا۔ کیونکہ یہ خود خالق کا فیصلہ ہے کہ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مِّن نَّشَاء۔ الخ [8]۔ ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے درجات کو بلند کر دیتے ہیں۔

اولاد نسبی طور پر ماؤں سے منسوب نہیں کی جا سکتی جس پر ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ کی آیت نصِ محکم ہے، اس کے خلاف سوچنا اور سمجھنا مبنی بر جہالت ہے، ایسے افراد اپنی عاقبت کو خراب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں کہتا ہے

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ [9]

پاک و بے نیاز ہے وہ خدا جس نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا ہے ان چیزوں میں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور ان کے نفوس میں سے اور ان چیزوں میں سے جن کا اُنہیں علم بھی نہیں ہے

یہ آیہ مبارکہ تخلیق انسانی کے اہم ترین امور کو ظاہر کرتی ہے،

---

[6] سورہ الاحزاب 5
[7] سورہ النساء 32
[8] سورہ یوسف 76
[9] سورہ یٰسین، آیت 36

1. اللہ نے انسانوں کو نر اور مادہ کے جوڑوں کی صورت میں پیدا کیا ہے
2. انسان کی تخلیق کے تین اجزا ہیں
3. ان اجزا میں زمین سے حاصل ہونے والے حیاتیاتی مرکبات، انسانی نفس، اور روح ہیں

اب ہم ان تینوں اجزا پر بالترتیب بحث کرتے ہیں، پہلا جزو نفس ہے جس کا تعلق باپ سے ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَإِذْ أَخَذَ رَبُّکَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ[10]۔ اور جب تمہارے پروردگار نے فرزندانِ آدم کی پشتوں سے انکی ذرّیت کو لے کر اُنہی کے نفسوں کو ان کے اوپر گواہ بنایا۔ اولادِ آدمؑ کا یہ ظہور بشکلِ ذرّات تھا اسی لئے صاحبان علم و دانش نے اسے عالم ذر قرار دیا ہے خود امام باقر علیہ السلام کا قول ہے عالم ذر میں خدا نے اولادِ آدم علیہ السلام سے عہد لیا تھا[11]۔ اجسام کی عدم موجودگی میں باپ کی پشت سے بشکلِ ذرّات ظاہر ہونے والی اولاد اپنے نفسوں سے ظاہر ہوئی تب ہی تو ان کو اُن پر ہی گواہ بنایا گیا، علامہ جاڑا فرماتے ہیں ظاہری جسموں اور جسمانیات سے الگ ہو کر صرف نفوسِ انسانیہ سے ہی میثاق لیا گیا[12]۔ پس ثابت ہوا کہ نفوس کا تعلق باپ سے ہے چنانچہ ایک دوسرے مقام پر احسن الخالقین کہتا ہے خُلِقَ مِن مَّاء دَافِقٍ۔یَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ[13]۔ وہ ایک اچھلتے ہوئے پانی سے پیدا کیا گیا ہے۔ جو پیٹھ اور سینہ کی ہڈیوں

---

[10] سورہ الاعراف، آیت 172
[11] تفسیر فرآت، صفحہ 91
[12] تفسر انوار النجف، جلد ۷، صفحہ 126
[13] سورہ طارق، آیت 6-7

کے درمیان سے نکلتا ہے۔ پھر فرماتا ہے أَفَرَأَيْتُم مَّا تُمْنُونَ [14]۔ کیا تم نے اس نطفه کو دیکھا ہے جو رحم میں ڈالتے ہو۔ اس مرحلہ پر ماں کے رحم میں نطفہ کے ٹھہر جانے پر بچے کا جسم تشکیل پاتا ہے جو زمین سے حاصل ہونے غذا کے نامیاتی جوہر سے بنتا ہے اور جس کے بارے میں مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ کہا گیا، اب اس عملِ تشکیل جسم کو اللہ تعالیٰ یوں بیان فرماتا ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ۔ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا ثُمَّ أَنشَأْنَاهُ خَلْقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ [15]

اور ہم نے انسان کو گیلی مٹی سے پیدا کیا، پھر ہم نے اسے ایک محفوظ مقام (رحم مادر) میں نطفہ بنا کر رکھا۔ پھر نطفہ کو علقہ (لو تھڑا) بنایا ہے اور پھر علقہ سے مضغہ (بوٹی) پیدا کیا ہے اور پھر مضغہ سے ہڈیاں پیدا کی ہیں اور پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھایا ہے پھر ہم نے اسے ایک دوسری مخلوق بنا دیا ہے تو کس قدر بابرکت ہے وہ خدا جو بہتر خلق کرنے والا ہے۔

عربی زبان میں میں (سُلَالَة) کے معنی جوہر، ست، خلاصہ یا کسی چیز کا بہترین حصّہ کے ہیں، مولانا شیخ محسن علی نجفی نے مندرجہ بالا ترجمہ میں گیلی مٹی لکھا ہے، بہر حال دونوں صورتوں میں معنی واضح ہیں۔ جب یہ نطفہ تکمیل کے آخری مرحلہ میں آتا ہے تو اس میں روح ڈال دی جاتی ہے، پس یہ ثابت ہوتا ہے کہ بچے کا جسم رحم مادر میں بنتا ہے

---

[14] سورہ واقعہ، آیت 58
[15] سورہ المومنون، آیت 12-14

جس اعتبار سے اُس کے جسم کا تعلق ماں کے ساتھ، نفس کا باپ کے ساتھ اور روح کا امرِ الٰہیہ کے ساتھ ہے۔ قارئین کرام! اب ہم لوٹ کر اُس آیۂ مبارکہ کی طرف جاتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ ذریتِ آدم کا ذکر کرتا ہے، یہ آیۂ مبارکہ اولاد کی باپ کی طرف نسبت پر ایک واضح اور محکم نص ہے

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُواْ بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُواْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ[16]

اور جب نکالا تیرے رب نے بنی آدمؑ (فرزندانِ آدم) کی پشتوں سے اُن کی ذریّت کو اور گواہ کیا اپنے نفسوں پر کہ کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب تو کہا انہوں نے ہاں (ہے تو ہمارا رب) اور ہم گواہ ہیں یہ اس لئے کیا کہ مبادا کہو بروز قیامت تحقیق ہم اس سے غافل تھے

اس آیۂ مبارکہ سے ظاہر ہے اولادِ آدمؑ کا یہ ظہور پشت در پشت صلبوں سے یعنی بالترتیب باپ، بیٹا، پوتا وغیرہ تھا جس پر مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ کے الفاظ ناطق ہیں، علامہ جاڑا اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں پروردگار نے اولادِ آدم کی بشتوں سے ذریّت کو نکال کر ان اسے عہد و پیمان لیا، یہ نہیں فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پُشت سے تمام اولادِ آدم علیہ السلام کو نکال کر ان سے عہد و پیمان لیا[17]۔ اس پر قولِ معصوم سے بھی نص ہے چنانچہ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں خدا نے آدم علیہ السلام کی اولاد کو پُشت در پُشت لیا[18]۔ ظاہر ہے یہ تمام اولادِ آدم کا جو قیامت تک آنے والی ہے ظہور تھا، امام

---

[16] سورہ الاعراف، آیت 172

[17] تفسیر انوار النجف، جلد 6، صفحہ 115، آیت اللہ حسین بخش جاڑا

[18] تفسیر فرآت، صفحہ 92

جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں خُدا نے آدم علیہ السلام کی پشت سے قیامت تک پیدا ہونے والی اولادِ آدم علیہ السلام کو نکالا وہ ذر کی مانند تھی[19]۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ تمام اولاد میں اناث و ذکر یعنی مونث و مذکر دونوں شامل ہیں وگرنہ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کا میثاقِ بے معنی ہو جاتا ہے، یہاں موجودگی کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کی اناث کی طرف اس ظہور کو نسبت نہیں دی بلکہ کہتا ہے مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ یہاں لفظ (بنی آدم) استعمال ہوا ہے اور تمام مفسرین اور مترجمین نے یہاں فرزندانِ آدم ہی لکھا ہے، لفظ ظُهُورِهِمْ کا ترجمہ شیعہ علماء کی طرح ایک اہل سنت مترجم قرآن حافظ نذر احمد نے بھی (اُن کی پشت[20]) کیا ہے پس پشت در پشت ظہور نسب کی تشکیل پر دلالت کرتا ہے اسی لئے اولاد کی نسبت باپ سے ہے ماں سے نہیں۔ پس وہ لوگ جو ایک سیّد زادی کی غیر سیّد شوہر سے اولاد کو سیّد' یا اُسے سیّد زادی ماں کی نسبی فضیلتوں کا حامل جانتے ہیں یا پھر سیّد باپ اور غیر سیّد ماں کی اولاد کو نسبِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یا نسبی فضیلتوں سے خارج سمجھتے ہیں صریحاً غلطی کا شکار ہیں، ان کا یہ عقیدہ تکفیر قرآن کا مُوجب ہے جو کہ کفر ہے لہٰذا اس سے تائب ہونا واجب ہے۔

یہاں ضروری ہے کہ وضاحت کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ فضیلت کے تحت کائنات میں صرف دو مستورات ایسی ہیں جن کی اولاد کو ان سے نسباً منسوب کیا گیا ہے اور وہ حضرت مریمؑ اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کی ذواتِ مقدسہ ہیں۔ شیخ صدوق' عیونِ امام رضاؑ میں معصوم سے ایک روایت نقل کرتے ہیں

---

[19] تفسیر فرآت، صفحہ 93

[20] قرآن مجید، آسان اردو ترجمہ، صفحہ 390، حافظ نذر احمد

جس طرح سے عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کی وجہ سے ذریت ابراہیم میں سے ہیں اسی طرح ہم بھی ذریت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں سے ہیں[21]۔

یہاں اس بات کو بھی اچھی طرح ذہن نشین رہنا چاہئے کہ ظہورِ معصومینؑ ہر طرح کی آلائش سے پاک و مبرّہ ہے وگرنہ حضرت عیسیٰؑ کی ولادت پر سوالیہ نشان ظاہر ہوتے ہیں اور یہ ثابت کرنا پڑ جائے گا کہ ان کا باپ کون ہے، حضراتِ معصومین ذریتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک علیحدہ نوع ہیں چنانچہ اس ضمن میں ہم مقصّروں، غالیوں، مفوّضہ، اور ناصبیوں کے عقیدہ سے بھرپور اظہارِ برأت کرتے ہیں۔

قارئین کرام! ہم دیکھتے ہیں کہ خالقِ کائنات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کتنا عزیز اور محبوب رکھتا ہے، کہیں وہ انہیں مصطفیٰ بیان کرتا ہے اور کہیں یَا سِینَ۔ کہیں إِنَّا أَرْسَلْنَاکَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا اور کہیں يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ کہتا ہے تو کہیں سِرَاجًا وَقَمَرًا مُّنِيرًا۔ کہیں آواز دیتا ہے إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا[22]۔ بیشک اللہ اور اس کے ملائکہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوات بھیجتے ہیں تو اے صاحبانِ ایمان تم بھی ان پر صلوات بھیجتے رہو اور سلام کرتے رہو۔ پھر حکم دیتا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ[23]۔ ایمان والو خبردار خدا اور رسول کے سامنے اپنی بات کو آگے نہ بڑھاؤ اور اللہ سے ڈرو بیشک اللہ ہر بات کا سننے والا اور جاننے والا ہے۔ پھر کہتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ

---

[21] عیون اخبار الرضا، جلد اول، صفحہ 154
[22] سورہ الاحزاب، آیت 56
[23] سورہ الحجرات، آیت 1

فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَن تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنتُمْ لَا تَشْعُرُونَ[24]۔ ایمان والو خبردار اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ کرنا اور ان سے اس طرح بلند آواز میں بات بھی نہ کرنا جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اس سے بھی خبردار کرتا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَنَاجَيْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُولِ [25]۔ ایمان والو جب بھی راز کی باتیں کرو تو خبردار گناہ اور تعدی اور رسول کی نافرمانی کے ساتھ نہ کرنا۔ یہ بھی کہتا ہے کہ رسولؐ سے بات کرنے کے کیا آداب ہیں يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوَاكُمْ صَدَقَةً ذَٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطْهَرُ فَإِن لَّمْ تَجِدُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ[26]۔ ایمان والو جب بھی رسول سے کوئی راز کی بات کرو تو پہلے صدقہ نکال دو کہ یہی تمہارے حق میں بہتری اور پاکیزگی کی بات ہے پھر اگر صدقہ ممکن نہ ہو تو خدا بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اور سنو خبردار کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے لفظِ (راعنا) نہ کہنا بلکہ (انظرنا) کہا کرو اور توجہ سے بات کو سنا کرو يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ [27]۔ ایمان والو! راعنا (ہماری رعایت کرو) نہ کہا کرو انظرنا کہا کرو اور غور سے سنا کرو اور یاد رکھو کہ کافرین کے لئے بڑا دردناک عذاب ہے۔ پھر یہ حکم دیتا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ[28]۔ ایمان والو! خبردار پیغمبر کے گھروں میں

---

[24] سورہ الحجرات، آیت 2
[25] سورہ المجادلہ، آیت 9
[26] سورہ المجادلہ، آیت 12
[27] سورہ البقرہ، آیت 104
[28] سوری الاحزاب، آیت 53

داخل نہ ہونا۔ اللہ تعالیٰ نے ان جیسے کتنے ہی احکام امت کو دیئے ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے حبیبؐ کی عزت و حرمت کے معاملے کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو حیثیت اللہ کے نزدیک ہے، اس کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے یہ ضروری ہے کہ آپؐ کی ذات والا صفات اور ان کی نسبت کا انتہا درجے میں ادب و احترام کیا جائے اور کوئی ایسا لفظ نہ بولا جائے اور نہ ہی ایسا عمل کیا جائے جس سے آپؐ کی شان میں ادنیٰ سی گستاخی کا کوئی شائبہ بھی آئے۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ خود یہ کہتا ہے کہ مَّا كَانَ مُحَمَّدٌ أَبَا أَحَدٍ مِّن رِّجَالِكُمْ[29]۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں۔ تو اس کا بھرپور التزام بھی رکھتا ہے کہ جہاں نسب و وراثت کا ذکر آئے وہاں وہ اپنے نبیؐ کو پکارنے کی حد تک بھی اُمتیوں کا باپ کہنا گوارہ نہیں کرتا بلکہ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کے نفسوں پر اولیٰ قرار دیتا ہے۔

النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنفُسِهِمْ وَأَزْوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُمْ[30]

بیشک نبی تمام مومنین سے ان کے نفس کی بہ نسبت زیادہ اولیٰ ہے اور ان کی بیویاں ان سب کی مائیں ہیں

غور فرمایئے کہ ازواج النبیؐ کو تو مائیں کہا مگر رسولؐ کو باپ نہیں کہا! بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُس شئے (نفسوں) سے بھی اولیٰ و افضل قرار دیا ہے کہ جس شئ سے اولادِ آدم کا نسب اور اولاد منسلک ہے۔ اس آیۂ مبارکہ میں اس بات کا بھرپور اِعادہ ہے کہ

---

[29] سورہ الاحزاب، آیت 40
[30] سورہ الاحزاب، آیت 6

محمد ﷺ کسی طرح سے بھی امت کے نسبی باپ نہیں ہو سکتے۔ پس حدیث مذکورہ بناتِنَا لِبَنِیْنَا وَبُنونَنَا لِبَنَاتِنَا کی صحت و سچائی میں کسی شبہ و شکایت کی گنجائش نہیں بچتی کہ محمد ﷺ مومنین کے نفسوں سے بھی اولیٰ ہیں اور ان کے نسب سے منسلک ان کی ذریّت کی اناث بھی مومنین سے اولیٰ وفاضل ہیں چنانچہ اُمتی ہرگز ان کا کفؤ نہیں ہو سکتا، پس اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا بناتِنَا لِبَنِیْنَا، کائنات میں اگر کوئی بنات رسول ﷺ کا کفؤ ہے تو وہ اولادِ رسول ﷺ ہی ہے۔ اسی طرح افرادِ اُمت کا کسی بھی شکل وروپ میں اولاد رسولؐ میں داخلہ اور ان کی اولاد کا امتی ماؤں کی نسبت سے نسب سے اخراج وتضحیک خُداوندمتعال اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے قطعاً ممنوع ہے۔

یہاں یہ امر خصوصی توجہ کا طالب ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے فَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ[31]۔ پس تم عورتوں سے ان کے اہل کی اجازت سے نکاح کرو۔ اسی لئے شریعت میں لڑکی کے ولی کی اجازت سے نکاح کرنا لازمی قرار دیا گیا ہے، اس آیہ مبارکہ کے تناظر میں خداوندِعالم کا یہ ارشاد ملاحظہ فرمایئے

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ[32]

ایمان والو! بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبانِ ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں

---

[31] سورہ النساء 25
[32] سورہ المائدہ، آیت 55

پس پہلے ولی نے اہل کی اجازت کو لازم قرار دیا، دوسرے ولی (نبی اکرمؐ) جو بحیثیتِ جد امجد آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ولی اول بھی ہیں نے تیسرے ولی (امیر المومنینؑ) کی موجودگی میں فرما دیا بناتِنَا لِبَنِیْنَا یعنی ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کے لئے ہیں۔ تینوں ولیوں نے فیصلہ دے دیا ہے۔ پس اب قیامت تک سیّد زادی فاطمیہ کی اُمتی مردوں کے ساتھ نکاح کی حرمت ثابت ہے یا پھر اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ولیّوں سے اجازت لے آئیں۔ اب قَلِیلاً مَّا تَذَکَّرُونَ کے مصداق قائلین جواز یہ دیکھیں کہ یہ آیہ مبارکہ کہیں اُن کو تو مخاطب نہیں کر رہی

فَلاَ وَرَبِّکَ لاَ یُؤْمِنُونَ حَتَّیَ یُحَکِّمُوکَ فِیمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لاَ یَجِدُواْ فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُواْ تَسْلِیمًا۔[33]

پس آپ کے پروردگار کی قسم کہ یہ ہرگز صاحبِ ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلافات میں حکم نہ بنائیں اور پھر جب آپ فیصلہ کر دیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں

[33] سورہ النساء، آیت 65

باب ششم

من لایحضرۃ الفقیہ کی روایت

ہمارے کچھ کرم فرما کتاب من لا یحضرۃ الفقیہ میں سے ایک روایت لے کر آئے اور کہا کہ یہ ہمارے موقف کی رد کے لئے کافی ہے، یہ کتاب جس کے مصنف شیخ صدوق علیہ الرحمہ ہیں مکتبِ اہل تشیع کی چندبڑی معروف کتب میں سے ہے، اس حدیث پر گفتگو سے قبل ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں

حدیث نمبر ۴۳۸۲۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں بھی تم لوگوں جیسا ایک بشر ہوں تم لوگوں کی بیٹیاں لونگا اور تم لوگوں کو بیٹیاں دونگا سوائے فاطمہ علیہا السلام کے اس لئے کہ اس کی شادی کا حکم آسمان سے نازل ہوا ہے۔[1]

اس حدیث کے فوراً بعد یہ حدیثِ مبارکہ ہے

حدیث نمبر ۴۳۸۳۔ نیز آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ فاطمہ علیہا السلام کو علی علیہ السلام کے لئے پیدا نہ کرتا تو روئے زمین پر فاطمہ علیہا السلام کا کوئی کفؤ اور ہمسر نہ ہوتا خواہ آدم علیہ السلام ہوں یا ان کے علاوہ کوئی اور۔[2]

---

[1] من لا یحضرۃ الفقیہ، جلد 3، صفحہ 242

[2] ایضاً

قارئین کرام! ہم اس کتاب میں شروع سے لے کر اب تک جس نکتہ پر اصرار کررہے ہیں وہ یہ ہے کہ اولادِ رسول اور اُمت کے دیگر افراد کے درمیان ایک نہایت ہی باریک اور اہم فرق ہے، جسے سمجھے اور برقرار رکھے بغیر حق و صداقت اور عزت و حرمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تقاضوں کو ہرگز پورا نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ بیان کیا جاچکا ہے کہ اسلام کے عمومی احکامات کا بعینہٖ اسی طرح اطلاق بہت سی صورتوں میں اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں کیا جا سکتا، بعض اوامر میں تو یہ کفر میں داخل ہے اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنا ایک منصب ہے۔ آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ تو عام اُمتی قرار دیا جاسکتا ہے اور نہ ہی محض قریشی اور ہاشمی، اس تمام خرابی کا آغاز اُسی عقیدہ کا شاخسانہ ہے کہ جیسے متذکرہ بالا روایات کے چند لفظوں جو کہ قرآنِ مجید میں بھی آئے ہیں یعنی میں بھی تم لوگوں جیسا ایک بشر ہوں کو لے کر کہہ دیا جاتا ہے کہ نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے جیسے تھے، کیا کوئی محبِ اہل بیتؑ یہ عقیدہ رکھ سکتا ہے؟ ہر گز نہیں...... لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ تو بظاہر یہ ہی ظاہر کر رہے ہیں! تو کیا ہم ان الفاظ کو سیاق و سباق سے علیحدہ رکھ کر اپنی خواہش کے مطابق معنی اخذ کر لیں؟ ہر عقل مند اور صاحب علم یہ جانتا ہے کہ دنیا میں آنے والے تمام انسان بحیثیتِ جنس بشر ہیں، بعض افراد کو خداوندِ عالم نے منتخب کیا اور اپنے فضل سے انہیں فاضل و مصطفیٰ بنایا، یعنی اللہ کے فضل کے طفیل جنس انسانیہ و بشریہ میں ایک الگ نوع وجود میں آئی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے

قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ[3]

آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا ہی جیسا ایک بشر ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے

یہ آیت واضح کر رہی ہے کہ حضور ﷺ ایک بشر ہیں مگر فرق یہ ہے کہ ان پر وحی آتی ہے چنانچہ صاحبان وحی کو دیگر انسانوں جیسا قرار نہیں دیا جا سکتا دلیل یہ ہے کہ تمام انسانوں پر وحی نہیں آتی، اب صاحبان وحی کو جنس بشریت میں شامل دیکھ کر اپنے جیسا سمجھنا اور کسی فضیلت کا حامل نہ سمجھنا شدید ترین غلطی ہے جیسا کہ قرآن خود وضاحت کر رہا ہے

فَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِينَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِن فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِينَ[4]

تو ان کی قوم کے بڑے لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا، انہوں نے کہا کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان سمجھ رہے ہیں اور تمہارے اتباع کرنے والوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ ہمارے پست طبقہ کے سادہ لوح افراد ہیں، ہم تم میں اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے ہیں بلکہ تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں

حضرت نوحؑ کی قوم نے آپؑ کی دعوت حق کو جن وجوہات کی بنا پر ٹھکرایا ان میں ایک وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حضرتِ نوحؑ کو اپنے جیسا ہی ایک بشر سمجھا تھا، لہٰذا تمام انسانوں کو مساوی الدرجہ سمجھنا قرآن پر ایمان نہ رکھنا ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

---

[3] سورہ الکہف، آیت 110
[4] سورہ ہود، آیت 27

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ[5]۔اور بعض کے درجات کو بعض سے بلند کیا۔ اسی طرح آلِ محمدﷺ کی فضیلت ان کی نسبتِ رسولﷺ ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے حقِ خمس کی مہر ثبت کر کے ساری امت پر ان کو فاضل بنا دیا۔ شومیٔ قسمت کہ اُمت کے ایک طبقہ نے رسولﷺ کو اپنے جیسا بنا لیا اور دوسرے نے اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی فضیلت کو زائل کرتے ہوئے اپنے قیاسی و تعویلاتی فتاویٰ سے خمس کا مستحق تمام بنی ہاشم کو ٹھہرایا جب اس سے بھی کام نہ چلا تو زمانہ غیبتِ امامؑ میں اسے تمام مومنین پر مباح قرار دے دیا، اس طرح راستہ صاف ہو گیا اور اولادِ رسولؐ کو صرف ہاشمی قرار دیتے ہوئے بنات رسولﷺ کو اُمتی افراد کے تصرف میں دیا جانا عین اسلام و شیعت قرار پایا جس پر حضرت زینبؓ بنت جحش اور حضرت صباغہ کی نظیریں قائم کی گئیں۔ یہ ہے غیر معصوم افراد کی رائے، اجتہاد، قیاس، اجماع وغیرہ کو دین میں جاری کرنے کا منطقی نتیجہ۔ حضورﷺ کے وصال کے بعد جب لوگوں کی رائے دین میں جاری و مقدم کی گئی تو اولادِ رسول کے معصومین کا حق غصب ہوا، حضرت عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی غیبت کبریٰ کے بعد دوسرے طبقے نے اسی روش کو اپنا لیا اور ذریّتِ رسولﷺ کے دیگر افراد کی حق تلفی اور تذلیل کو دین بنا ڈالا، امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ قول ہمارے موقف کی حقّانیت پر دلیل ہے

> امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے والد ماجد سے روایت کی ہے کہ حضرت علی نے فرمایا جس نے احکام الٰہیہ میں قیاس کو راہ دی وہ ہمیشہ شبہات میں مبتلا رہا، اور جس نے عملِ آخرت اپنی رائے اور پیروئ

---

[5] سورہ الانعام، آیت 165

ظن سے کیا وہ ہمیشہ شبہات میں ڈوبا رہا، فرمایا امام جعفر صادق علیہ السلام نے کہ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو لوگوں کو فتوے دیتا ہے وہ اپنی رائے سے عمل آخرت کرتا ہے اس چیز سے جس کو وہ نہیں جانتا اور جو باوجود جاننے کے ایسا کرتا ہے وہ خدا کا مقابلہ کرتا ہے حرام و حلال قرار دینے میں ان چیزوں کے جن کا اس کو علم نہیں۔[6]

آج خطاکار اور غیر معصوم افراد اپنی رائے کو اصلِ دین قرار دے کر لوگوں کو اس پر اکٹھا کئے ہوئے ہیں جو ان کے اعمال و نظریات سے متفق ہیں اُن کو مولائے کائنات کے نہج البلاغہ میں اس فرمان سے سبق لینا چاہیئے

لوگو! یاد رکھو کہ رضامندی اور ناراضگی ہی سارے انسانوں کو ایک نقطہ پر جمع کر دیتی ہے۔ ناقۂ صالح کے پیر ایک ہی انسان نے کاٹے تھے لیکن اللہ نے عذاب سب پر نازل کر دیا کہ باقی لوگ اس کے عمل سے راضی تھے اور فرما دیا کہ ان لوگوں نے ناقہ کے پیر کاٹ ڈالے۔

قارئین کرام! اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس باب کی سرنامہ کلام کی حدیثِ مبارکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا فرمایا ہے!

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا نے کسی ایسی چیز کو قرآن میں نہیں چھوڑا جس کی طرف امت محتاج تھی اس کو اپنی کتاب میں نازل کیا اور اپنے رسول پر ظاہر کر دیا اور ہر شے کی ایک حد قرار دی اور اس پر ایک دلیل بھی قائم کر دی[7]۔

---

[6] الشافی ترجمہ الکافی، جلد اول، کتاب العقل والجہل، صفحہ 121
[7] ایضاً، صفحہ 124

یعنی احکاماتِ دین قران و حدیث میں موجود ہیں جن کو دلیل سے سمجھا جا سکتا ہے رائے یا قیاس سے نہیں، عقل و دلیل ہی راستہ ہے ان احکامات تک رسائی کا وگرنہ دلیل کو قائم ہی کیوں کیا جاتا چنانچہ بے دلیل فتویٰ کو ماننا کسی کی ذاتی رائے یا قیاس کو ماننا ہے، جس کے متعلق قولِ امام بیان کر دیا گیا ہے۔

حدیث کے متن پر تدبر سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بیٹیاں لینا اور دینا تقاضائے بشریت ہے اور ایسا کرنا امر فطرت ہے۔ یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ حضورﷺ دیگر انسانوں کی طرح ایک عام بشر نہیں بلکہ فاضل و مصطفیٰ تھے، ان کی اسی فضیلت کو برقرار رکھنا تقاضۂ عدلِ الہیٰہ ہے وگرنہ فضیلت بے معنی اور فقط لفظی ہو کر رہ جاتی ہے، بے معنی اور عبث کلام و عمل کو اللہ تعالی سے منسوب تصور کرنا کفر ہے چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے کفوٗ کا بندوبست اسی لیے علیٰحدہ رکھا گیا، یہ بندوبست ہی از خود عمومی بشریّت کے معارض ہے کہ عام انسانوں کے نکاح کا بندوبست اللہ تعالیٰ نہیں کرتا۔ اللہ نے نبیﷺ کو اور کوئی بیٹی نہ دی، لیکن اس کے باوجود آپؐ کا یہ فرمانا کہ اپنی بیٹیاں دونگا ایک اضافت ہے جس کا اطلاق عمومی بشریّت پر ہوتا ہے کہ مومنین کو رشتوں کے باہمی لین دین پر مائل کیا جائے اور ان کے باہمی تعلقات کی اہمیت کو واضح کر دیا جائے، حیرت کی بات ہے کہ جو بیٹی موجود ہے اُس کا رشتہ تو اُمتیوں کو نہیں دیا اور جو بیٹیاں ہیں ہی نہیں اور نہ ہی انہوں نے ہونا ہے لیکن اُن کا وعدہ کیا جا رہا ہے۔ یہ کلامِ فضول ہے کہ جو شئے ہمارے پاس نہ ہو اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کے ہمارے پاس آنے کا کوئی امکان بھی نہیں، ہم کسی سے

یہ وعدہ کرتے پھریں کہ ہم اُسے ضرور دیں گے۔ اس طرح کے کلامِ فضول کی نبی اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے توقع رکھنا ہی بے دینی ہے، آپؐ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ [8]۔ کے مصداق ہیں اور اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا [9]۔ قرآنِ مجید میں آیۂ مبارکہ مباہلہ میں اللہ تعالیٰ نے (نساءنا) استعمال کیا ہے اور عمل رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ثابت کیا ہے اس کی مصداق سیّدہ کونین سلام اللہ علیہا ہیں نساء ایک عام لفظ ہے جس میں بیٹیاں اور ازواج شامل ہیں چنانچہ بیٹی سے کسی اُمتی کو شادی کی اجازت نہیں ملی اور ازواج سے نکاح اللہ تعالیٰ نے قطعی طور پر اس آیہ مبارکہ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا [10]۔ کے ذریعہ ممنوع قرار دے دیا اس طرح سے نساء النبی کے دونوں اجزاء حرمت میں داخل ہو گئے۔ چنانچہ جو لوگ اس جملے 'تم لوگوں کو بیٹیاں دونگا' کے صرف لفظی معنوں پر یقین رکھتے ہیں اُن کا عقیدہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بات سے بے خبر تھے کہ ان کے ہاں کتنی بیٹیاں ہوں گی لیکن اس کے باوجود نعوذ باللہ امت سے وعدہ فرمارہے تھے یا پھر قائلین جواز مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چار بیٹیاں تھیں جن کے رشتے آپؐ نے نہ صرف اُمتیوں کو دیے بلکہ ابولہب جیسے کافر کے بیٹوں کو بھی دیئے۔ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ربی و أَتُوبُ إِلَيْهِ! کیا یہ دونوں ہی باتیں روحِ تشیّع سے متصادم و معارض اور ناصبیت نہیں ہیں؟ کیا اس عقیدے کی دین اہل بیت اطہار میں کوئی گنجائش ہے؟ فتفکروا

---

[8] سورہ النجم، آیت 3-4

[9] سورہ دھر (انسان)، آیت 31

[10] سورہ الحجرات، آیت 53

کچھ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیّدہ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا معصومہ تھیں اس لئے ان کا نکاح معصوم سے ہی ہو سکتا تھا جس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے الگ بندوبست فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آئمہ معصومین علیہم السلام سے مروی یہ حدیث زبان زدِ عام ہے کہ حضرت رسول خُدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا لولا ان اللہ لفاطمہ علیاً مان لھا کفؤً علی وجہ الاض۔ اگر خُداوندعالم فاطمہ سلام اللہ علیہا کے لئے علی علیہ السلام کو خلق نہ کرتا تو روئے زمیں پر کوئی بھی ان کا کفؤ نہ ہوتا۔ اس سے ثابت ہے کہ روئے زمین پر کوئی بھی ان کا کفؤ نہیں تھا، صرف حضرت علی علیہ السلام ہی سیّدہ عالمین سلام اللہ علیہا کے کفؤ تھے ان کے علاوہ آباد زمین کی ساری مخلوق جو گزر چکی ہے اور جو ہو گی ان میں سے کوئی بھی آپ کا کفؤ نہ تھا حالانکہ ان میں معصوم اور اولوالعزم صاحبان شریعت بھی تھے جیسا کہ سرنامہ کلام میں بیان شدہ دوسری حدیث میں ہے 'خواہ آدم علیہ السلام ہوں' اس سے ظاہر ہے کہ بی بیؑ کی مناکحت کے لئے فقط معصومیت ہی معیارِ نہ تھا بلکہ اس کے علاوہ بھی کچھ امور تھے، چنانچہ جب چند اکابر قریش اور دولتمند افراد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا رشتہ مانگا تو آنحضرتؐ ناگواریت سے اپنا چہرہ مبارک مداعیانِ رشتہ سے پھرا لیتے تھے، ایک موقع پر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نے پیغامات بھیجے تو آپؐ نے جواب دیا کہ انتظر لھا القضاء میں حکم خُدا کا منتظر ہوں چنانچہ یہاں متعدد اہم سوالات جنم لیتے ہیں

1. کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے الفاظ اور وعدہ کہ تم لوگوں کو بیٹیاں دونگا (نعوذ باللہ) یاد نہ تھا؟

2. اگر یاد تھا تو کیا آپؐ نے (نعوذ باللہ) وعدہ خلافی فرمائی؟
3. مناکحت کے عمومی شریعی قوانین موجود تھے کیا ان پر بانیٔ شریعت کا خود ہی عمل نہ کرنا رسالت و شریعت کا ابطال پیدا نہیں کرتا؟
4. عمومی شریعی قانونِ مناکحت کا اطلاق بی بیؑ پر کیوں نہ ہوا؟

پس آنحضرتﷺ کا عمومی قانونِ مناکحت کے مطابق رشتہ نہ دینا، رحمۃللعٰلمین کا اُمتی افراد کے رشتہ طلب کرنے پر غضبناک ہونا، اور آپؐ کا ان کو انتظرلھاالقضاء کا جواب دینا ثابت کرتا ہے کہ بنت رسولﷺ صرف حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا ہی تھیں اور بنت رسولؐ کا عقد عمومی قانونِ شریعت کے تحت نہ تھا وگرنہ بانی شریعت کا خود اپنی ہی شریعت پر عمل نہ کرنا رسالت و شریعت کا ابطال اور نعوذ باللہ بدعہدی کو ظاہر کرتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ کیا حضور انورﷺ نے اپنی خواہش و منشاء سے ایسا کیا یا کہ کوئی خصوصی حکم اس مناکحت کے لئے نازل کیا گیا؟ جیسا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں اللہ کے حکم کا منتظر ہوں اور زیر بحث حدیث میں بھی کہا گیا فاطمہعلیہا السلام کے لئے کہ اس کی شادی کا حکم آسمان سے نازل ہوا ہے۔ اب قائلین جواز یہ بتائیں کہ وہ حکم قرآنِ مجید کی کس سورہ اور آیہ میں ہے؟ اگر نہیں دکھا سکتے تو یہ ماننا پڑے گا کہ آپؐ نے اپنی خواہش کے مطابق فرمایا تھا چنانچہ جس نے آپؐ کی خواہش و منشاء کو فقط ذاتی سمجھا اُس کے دین اور جمہور کے عقائد میں کوئی فرق نہیں جو رسولؐ کی زندگی کو ذاتی اور بطور نبی دو حصوں میں تقسیم سمجھتے ہیں

رسول کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے تعلق رکھتے ہیں، اور کون سے رسالت کے منصب سے [11]۔ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شبہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے، باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں، تشریعی اور مذہبی نہیں ہوتے اس مسئلے کو جس قدر حضرت عمر نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا [12]۔

جن لوگوں کا ایمان قرآن پر ہے وہ اپنی رائے کے بجائے اس آیہ مبارکہ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَى۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ [13]۔ پر ایمان رکھتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خواہش رسولؐ کو بھی خود سے منسوب فرمادیا ہے

وَمَا تَشَاؤُونَ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ [14]۔

اور یہ کہ تم نہیں چاہتے جب تک اللہ نہ چاہئے

توحضراتِ گرامی غور کیجیے کہ خداوندِ متعال اور رسول اللہ ﷺ کی منشاء و حکم ہی کا نام تو شریعت ہے۔ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا [15]۔ اور جو کچھ بھی رسول تمہیں دیدے اسے لے لو اور جس چیز سے منع کردے اس سے رک جاؤ۔ حلالِ محمد ﷺ قیامت تک حلال اور حرام محمد ﷺ قیامت تک حرام ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے امت اور بنات رسولؐ کے درمیان فرق کو واضح کر دیا ہے اب قائلین جواز یہ بتائیں کہ وہ کس حکم سے بنات رسول ﷺ کو اس حکم خصوصی سے

---

[11] الفاروق جلد 1، صفحة 61، مصنف شبلی نعمانی
[12] الفاروق، جلد 2، صفحہ 327
[13] سورہ النجم، آیت 3-4
[14] سورہ دہر آیت 30
[15] سورہ حشر آیت 7

خارج کر کے حکم عمومی کے ماتحت لاتے ہیں؟ کس جواز سے رسول ﷺ پر سبقت کرتے ہوئے بنات رسول ﷺ کے خصوصی سٹیٹس کو زائل کرتے ہیں؟ بقول علامہ سید عبد اللہ شاہ عبدؔ موسوی

یہ حضرات (قائلین جواز) وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے نکاح کی درخواستیں دینے والے رکھتے تھے۔ اسی واسطے ہم نے عرض کی ہے کہ جب اپنے زمانہ کے قائلین جواز سے آنحضرت ﷺ غضبناک اور ناراض تھے تو پھر آج کے قائلین جواز سے کیونکر ناراض و غضبناک نہ ہوں گے (کہ اعتقاد و عمل اور حرمت ایک ہے)[16]۔

---

[16] حرمت بناتِ رسول، علامہ عبد موسوی

باب ہفتم

خمس

سِرالمُبین حصّہ اول کی اشاعت کے بعد قارئین اور قائلینِ جواز کی طرف سے متعدد سوالات خمس کے حوالہ سے موصول ہوئے چنانچہ ضروری تھا کہ اس کے بعض دیگر پہلوں پر بھی اپنی معروضات پیش کر دی جائیں تاہم نئے قارئین کے لئے ضروری ہے کہ پہلے حصّہ اول کے باب خمس کا مطالعہ کر لیں۔

خمس ایک اہم اور فی زمانہ حساس موضوع ہے، یہ واجباتِ دینیہ میں سے ہے اور ایک محکم دلیل ربانی جو ثابت کرتی ہے کہ اولادِ رسولؐ دیگرانِ اُمت سے جُدا و ممتاز مقام کی حامل ہے، اس کا تعلق اُمت کی فیاضی، سخاوت اور احسان سے نہیں اور نہ ہی یہ کسی طرح کا صدقہ اور زکوٰۃ ہے، یہ خُداوندِ متعال کے فضل سے حقِ اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے، بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ خمس اللہ تعالیٰ کی آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کردہ خصوصی فضیلتوں میں سے ایک ہے، اس کا حامل و مستحق صاحبِ فضیلت ہے اور فاضل پر مفضول کو حاکم بنانا فعلِ قبیح اور ظلم ہے، پس اسی قاعدہ سے سیّد زادی فاطمیہ فاضل ہے جس کی مناکحت کسی مفضول شخص سے ظلم کہلائے گی اور کوئی بھی ظلم و فعلِ قبیح، دین و شریعت میں جائز قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ خمس بذاتِ خود ایک مکمل موضوع ہے اس پر ہم انشااللہ ایک علیحدہ کتاب تالیف کر کے ہدیۂ مومنین کریں گے۔

لغت میں خمس کے معنی پانچواں حصّہ کے ہیں، دین اسلام میں اس سے مراد وہ مخصوص مالیاتی جزوِ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے خُمُسَهُ کہہ کر غزوہ بدر کے موقع پر حکماً نافذ کیا، ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَاعْلَمُواْ أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ إِن كُنتُمْ آمَنتُمْ بِاللّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ وَاللّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ [1]

اور یہ جان لو کہ تمہیں جو بھی غنیمت ملے اس کا پانچواں حصّہ اللہ، اُس کے رسول، رسول کے قرابت دار، ایتام، مساکین اور مسافرانِ غربت زدہ کے لئے ہے اگر تمہارا ایمان اللہ پر ہے اور اس نصرت پر ہے جو ہم نے اپنے بندے پر حق و باطل کے فیصلہ کے دن جب دو جماعتیں آپس میں ٹکرا رہی تھیں نازل کی تھی اور اللہ ہر شے پر قادر ہے۔

آیۂ مبارکہ کی ابتدا وَاعْلَمُواْ یعنی اور یہ جان لو۔ سے ہے جو ایک تنبیہ ہے، بعد میں لفظ غَنِمْتُم آیا ہے، شومئ قسمت کہ اس لفظ کے مفاہیم پر بحث سے آج تک مسلمان تشریحی اور استنباطی اختلاف کا شکار ہیں، اسی طرح فَأَنَّ لِلّهِ کے الفاظ بھی فقہاء کو الگ الگ نہج پر لے گئے، یہ ہی وہ مقام ہے جہاں سے گاڑی پٹری سے اتری اور اس کے ڈبے اپنی اپنی سمت میں اب تک گھسٹتے چلے جارہے ہیں، اس پر گفتگو سے قبل آیہ مبارکہ کے چند دیگر اجزاء کی وضاحت ضروری ہے۔ خُداوندِ متعال حکم دیتے ہوئے کہتا ہے إِن كُنتُمْ آمَنتُمْ بِاللّهِ۔ اگر تمہارا ایمان اللہ پر ہے یعنی یہ واضح کیا جارہا ہے کہ اللہ پر ایمان اور

[1] سورہ انفال، آیت 41

خمس باہم مشروط ہیں چنانچہ خمس کی ادائیگی سے فرار یا اس کے حقیقی حق داروں تک ناقص ترسیل یقیناً نقصِ ایمان کی دلیل ہے، یہ تصریح بھی فرمائی گئی ہے کہ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَى عَبْدِنَا۔ اور ہم نے یہ اپنے بندے پر نازل کیا ہے۔ یعنی یہ حکم اُس ذاتِ باری کی جانب سے ہے جس نے یوم بدر کی نصرت اپنے بندے کو عطا کی ہے اور جو وَاللّٰهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ہے تا کہ یہ بھی صاف ہو جائے کہ خمس کو معاذ اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتی غرض یا اقرباء پروری سمجھنے والا اپنے دین و ایمان اور اُخروی ٹھکانے کا پتہ بھی اچھی طرح سمجھ لے۔

جب خُمس کے معاملات کا جائزہ لیا جائے تو فقیہہ ابحاث اور اختلافات کا ایک لامتناہی سلسلہ نظر آتا ہے جس سے یہ معاملہ نہایت درجہ پیچیدہ ہو کر رہ گیا ہے، خود علماء امامیہ نے ان گنت اختلافی امور بیان کئے ہیں بلکہ بعض نے تو انتہا درجے کی اذیت رساں زبان سے بھی دریغ نہیں کیا، ہم اس بحث میں الجھنا نہیں چاہتے۔ ان تمام فقہی ابحاث و اعتراضات سے قطع نظر یہ بات ہر مومن مسلمان کو سمجھ لینا چاہئے کہ خمس کا حکم قرآن مجید میں موجود ہے اور یہ آیہ مبارکہ منسوخات میں سے نہیں لہٰذا خمس کے وجوب سے انکار حکمِ خُدا اور قرآن مجید کا انکار ہے جو کہ کفر ہے۔

ایک نہایت ہی اہم پہلو یہ ہے کہ اثناء عشری مجتہدین اور مفتیانِ دین خمس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقرباء کو صرف معصومین علیہم السلام تک ہی محدود کرتے ہیں، ان کے نزدیک اولادِ رسول کے غیر معصوم افراد یعنی سادات پر اس آیۂ مبارکہ

کے لفظ ذی القربیٰ کا اطلاق نہیں ہوتا، عملِ رسول ﷺ نے اس کی وضاحت آیۂ مبارکہ (انفال) کے تحت فرمائی ہے، آیۂ مبارکہ انفال میں خداوندِ متعال فرماتا ہے

وَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلاَ تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا۔[2]
اور دیکھو قرابتداروں کو اور مسکین کو اور مسافر غربت زدہ کو اس کا حق دے دو اور خبردار اسراف سے کام نہ لینا

اس آیۂ مبارکہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کے قرابتداروں' مساکین' اور مسافرانِ غربت زدہ کا ذکر آیۂ مبارکہ خمس کی ترتیب سے آیا ہے فرق صرف یہ ہے کہ یہاں ایتامیٰ کی بے ضرّر اضافت موجود ہے۔ آیۂ انفال میں لفظ حَقَّهُ۔یعنی اُن کا حق۔ بھی آیا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ حضور ﷺ نے حکم خدا کی بجا آوری میں کون سا حق ادا کیا ہے اور اس کا مصداق کون قرار پایا؟ ہمارا یہ یقین کامل ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حق کو اُس کے حقیقی اہل کے ہی سپرد کیا ہے وگرنہ تکذیبِ رسولؐ کا ارتکاب ہوتا ہے اور کفر لازم آتا ہے۔ یہاں جو بھی ذی القربیٰ' مساکین' اور مسافرانِ غربت زدہ کے عنوان سے مصداق ٹھہرایا گیا وہی آیۂ خمس میں بھی مصداق ہوگا کیونکہ قرآنی الفاظ و آیات کی توضیح و تشریح خود قرآنی آیات یا معصوم کی حدیثِ قولی و فعلی سے ہی ممکن ہے، وگرنہ قرآن کی تفسیر بالرائے کرنے کا مطلب واصل جہنم ہونا ہے، آنحضرت ﷺ نے کیا عمل کیا اس کو شیخ صدوق علیہ الرحمہ کی اس روایت میں ملاحظہ فرمائیں

[2] سورہ بنی اسرائیل، آیت 26

وَ آتِ ذَا الْقُرْبَی حَقَّهُ (بنی اسرائیل۔۲۶) جب یہ آیت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل ہوئی تو آپؐ نے فرمایا: "فاطمہ علیہا السلام کو بلاو، چنانچہ سیدہ (س) کو بلایا گیا۔" تو آپؐ نے فرمایا: فاطمہ علیہا السلام! انہوں نے کہا: لبیک یا رسول اللہ، آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ فدک ہے، اس کے حصول کے لئے مسلمانوں نے اونٹ اور گھوڑے نہیں دوڑائے، یہ میری ذاتی جاگیر ہے، اس میں مسلمانوں کا کوئی حصہ نہیں ہے، اور میں یہ جاگیر حکم خدا کے تحت تمہیں دے رہا ہوں تم اسے لے لو، یہ جاگیر تیرے اور تیری اولاد کے لئے ہے۔[3]

اسی طرح مولوی حکیم سید ذاکر حسین ایک روایت صاحبِ ناسخ التواریخ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں

حضرت خیر البشرؐ نے فرمایا کہ یہ سب بحکمِ خُدا تمہارا اور تمہارے بچوں کا حق ہے تم اپنے قبضے میں رکھو پس جناب معصومہ علیہا السلام نے فدک پر اپنا ایک کارندہ مقرر کردیا[4]۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ذَا الْقُرْبَی کی تشریح یہ واضح کرتی ہے کہ اس سے مراد فقط اور فقط جنابہ معصومہ سلام اللہ علیہا اوران کی اولاد، اُنہیں کے ایتامیٰ، مساکین اور مسافران غربت زدہ ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اولادِ فاطمہ علیہا السلام میں معصوم و غیر معصوم اولاد کا تخصص قائم نہ کرنا ہی ایک قوّی دلیل ہے کہ ذی القربیٰ میں تمام

[3] عیون اخبار الرضا علیہ السلام، جلد اول، صفحہ 410
[4] سیرۃ الفاطمہ علیہا السلام، صفحہ 179، مولوی حکیم سید ذاکر حسین، مبطع 1921، دہلی

اولاد شامل ہے۔ اس موقع پر دیگر ہاشمیات بھی موجود تھے لیکن اگر وہ ذَا الْقُرْبیٰ کے ذیل میں آتے تو حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنہیں بھی اُن کا حصّہ عطا فرماتے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔ علامہ سیّد نثار عباس نقوی لکھتے ہیں

> شیخ صدوق نے اپنے اعتقادیہ میں لفظ قربیٰ اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام سادات بنی فاطمہ پر بولا ہے، شیخ علیہ الرحمہ کا قول تمام علماء امامیہ جو اُس وقت تھے اُن سب کا قول تھا[5]۔

پس یہ ثابت ہوا کہ خمس صرف اور صرف اولادِ فاطمہ سلام اللہ علیہا کی (معصوم اور غیر معصوم) اولاد کا حق ہے اس میں کوئی ہاشمی' عشیرہ' یا اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہٹ کر کوئی غیر سیّد اُمتی داخل نہیں، اگر کسی امام یا سیّد زادے نے خمس کی وصولی کے بعد اس کو تبلیغِ دین پر صرف کیا ہے تو یہ اُن کا انفرادی عمل ہے کہ حق وصول کرنے کے بعد وہ جیسے چاہیں صرف کریں اس کو حکمِ خمس کے ساتھ ملزوم نہیں کیا جا سکتا۔ ویسے بھی ملکہ کائنات حضرت خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا سے لے کر آج تک ساداتِ کرام اپنا سب کچھ دین پر ہی تو قربان کرتے چلے آ رہے ہیں، لہٰذا خمس پر تصرف یا اِس کے فلسفہ کو قیاسی تعبیرات سے مسخ کرنے سے قبل مومنین کو اپنی عاقبت پر نظر رکھنا چاہئے اور اس آیہ مبارکہ پر بھی کہ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلاَ تَتَمَنَّوْاْ مَا فَضَّلَ اللّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ۔[6] اور خبردار جو خُدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیادہ دیا ہے اس کی تمنّا اور آرزو نہ کرنا۔

---

[5] نجہج السادات فی اکفاءِ البنات، صفحہ 91، مصنف علامہ سید نثار عباس نقوی،
[6] سورہ النسا، آیت 32

ہمارے فقہاء نے لفظِ غَنِمْتُم کا ترجمہ 'جس چیز سے بھی فائدہ حاصل ہو' لیا ہے جس کے بعد اس کی جُزیات اور مسائل بیان کئے گئے ہیں، لیکن یہ ثابت ہے کہ معصومین علیہ السلام نے خمس کو بظاہر حصّوں میں منقسم نہیں کیا، امام ولیِ امر ہوتا ہے وہ اسے وصول کر کے اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق تصرف میں لاتا ہے، علاوہ ازیں آئمہ طاہرینؑ حکم قرآن ورسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شارح ہیں ان کو منسوخ یا اُن کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار نہیں دیتے البتہ اُن کی تشریحاتِ دین میں وقتی استثناء کا پہلو موجود ہو سکتا ہے۔ فقہاء اس امر کے قائل ہیں کہ ہر حکم اپنے اندر استثنائی پہلو سموئے ہوئے ہوتا ہے۔ لیکن تمام مکاتبِ فکر کے فقہاء کے نزدیک یہ ایک مسلمہ امر ہے کہ کوئی حدیث یا روایت اگر قرآن سے ٹکرائے تو اُسے دیوار پر دے مارنا چاہئے لہٰذا یہ ثابت ہے کہ معصومینؑ نے ہرگز کوئی ایسا حکم جاری نہیں کیا جو حکمِ قرآن سے متصادم ہو، اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام احکاماتِ دین اُمت کو پہنچا دیئے ہیں اور اس پر یہ حدیثِ مبارکہ دلیل ہے کہ حلالِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک حلال ہے اور حرامِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک حرام ہے۔

اب ہم آیہ مبارکہ خمس کے لفظوں فَأَنَّ لِلّٰهِ کی طرف آتے ہیں، ان الفاظ کی تشریحات نے اُمت میں دو مختلف الجہت نظریات کو جنم دیا ہے، ایک نکتہ نظر کے حاملین کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اور اُسے بشمولِ خمس کسی شۓ کی احتیاج نہیں، اس کے باوجود اُس نے خمس میں اپنا حصّہ مقرر کر کے دو امور کی نشاندہی کی ہے، ایک یہ کہ اس حصّہ کو دیگر اموالِ خیرات کی طرح اللہ کی طرف سے تمام اُمت کے غرباء'

مساکین، مسافرانِ غربت زدہ، یا پھر تبلیغاتِ دین پر صرف کیا جائے، چونکہ یہ تمام اُمت کے مستحقین اور دین کے لئے ہے اس لئے حاکم وقت، نائبِ رسول یا خلیفہ وقت، امام وقت یا نائبِ امام ہی وصول کر سکتا ہے اور وہی اس کی تقسیم و تصرف کا اہل ہے۔ اس نظریہ کے حاملین میں اہل تسنن اور شیعہ اثناء عشری دونوں شامل ہیں، اہل تشیع البتہ اس میں فقہی و اجتہادی تشریحات کے تحت دیگر دو حصّے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ذی القربیٰ کے حصّے بھی شامل کر کے اُسے امامِ زمانہ علیہ السلام کا حصّہ قرار دیتے ہیں۔ اہل تسنن میں بعض کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد یہ حصّہ ساکت ہو چکا ہے۔ علمائے اثنا عشر کے ہاں خمس کی وصولی اور تقسیم کا حق صرف زمانے کے امام کو حاصل ہے اور موجودہ امامِ زمانہ علیہ السلام پردۂ غیبت میں ہیں چنانچہ فقہاء و مراجع حضرات خود کو امام زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کے نائبینِ عام اور حاکم شریعی جانتے ہوئے خمس وصول کرنے کا اہل و ذمہ دار سمجھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور ذی القربیٰ کے حصّوں کو دین کی تبلیغات اور دیگر امور میں صرف کرنے کے داعی ہیں، اس تصرف میں اس ظن و گمان سے کام لیا جاتا ہے کہ فقہاء اسے اُسی طرح اور اُنہی امور پر خرچ کر رہے ہیں جس طرح امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف خود ظاہراً موجود ہو کر کرتے، مجتہدین کی اس فکر و استنباط سے اختلاف بھی موجود ہے، علاوہ ازیں اجتہاد کا عملِ معصومینؑ سے جائز ہونے اور مجتہدین کے نائب امام ہونے پر بھی اختلافی آراء، دلائل، اور ابحاث ملتِ جعفریہ میں شد و مد سے موجود ہیں۔

دوسرا نکتہ نظر یہ ہے کہ فَأَنَّ لِلّٰہِ کے الفاظ اُس ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو حکیمِ مطلق ہے اور حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، قرآن مجید میں ہے فَلِلّٰہِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ[7]۔ خدا کی حجت بالغ یعنی کامل و غالب ہوتی ہے۔ چنانچہ جب اس تناظر میں خمس کے حکم کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خمس میں اپنا حصّہ تو رکھا لیکن اس کا الگ سے کوئی مصرف بیان نہیں کیا اور نہ ہی اُسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم' اُن کے قرباء اور اُنہی کے یتیموں' مسافروں' اور مسکینوں کے حق سے جُدا کیا ہے، اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ میں اپنا حصّہ نہ رکھ کر اور خمس میں اپنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصّہ رکھ کر ثابت کیا ہے کہ اس کے حق دار اُمت سے جُدا اور فاضل ہیں وگرنہ وہ خود کو زکوٰۃ میں بھی شریک و شامل کرتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ کا حصّہ دراصل آلِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے اور یہ ہی اصل فلسفہِ خمس ہے جس کی تصدیق عمل معصوم سے ظاہر و ثابت ہے امیر المومنین حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ ابن سفیان پر اپنی فضیلت ثابت کرتے ہوئے آیہ مبارکہ خمس کو بطورِ دلیل پیش کیا تھا۔

و قدعرفناک قبل الیوم وعداوتک وحسدک و ما في قلبک من المرض ألذي أخرجه الله و ألذي أنكرت من قرابتي وحقي فإن سهمنا وحقنا في كتاب الله قسمه لنا مع نبينا فقال وَ اعلَمُوا أَنَّما غَنِمتُم مِن شَيءٍ فَأَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي القُربى (الخ)۔ و قال فَآتِ ذَا القُربى حَقَّهُ أو ليس وجدت سهمنا مع سهم الله ورسوله وسهمک مع الأبعدين

[7] سورہ الانعام، آیت 149

لاسهم لک إن فارقته فقد أثبت الله سهمنا وأسقط سهمک بفراقک وأنکرت إمامتي وملکي فهل تجد في کتاب الله قوله لآل ابراهیم واصطفاهم علي العالمین فهو فضلنا علي العالمین أوتزعم أنک لست من العالمین أوتزعم أنا لسنا من آل ابراهیم فإن أنکرت ذلک لنا فقد أنکرت محمدا ﷺ فهو منا ونحن منه فإن استطعت أن تفرق بیننا وبین ابراهیم صلوات الله علیه وإسماعیل ومحمد وآله في کتاب الله فافعل۔ [8]

اے معاویہ خبردار ہو اور ہم تجھکو آج سے پہلے ہی جانتے اور پہچانتے ہیں اور تیری دشمنی اور حسد اور تیرے اس قلبی مرض کو بھی جس کو خُدا ظاہر کر رہا ہے پہچانتے ہیں جس کی وجہ سے تو ہماری قرابت رسول ﷺ اور حق کا انکار کر رہا ہے۔ پس تحقیق ہمارا حصہ اور حق کتاب خُدا میں لکھا ہوا موجود ہے۔ ہمارا حصہ ہمارے نبیؐ کے ساتھ مقرر کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جان لو سمجھ لو کہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ جو مال غنیمت اور مال دنیاوی سے جو نفع تمہیں حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کے اقرباء اور ان کے یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے اور حکم دیا ہے کہ اپنے قرابتداروں کا حق ادا کردو۔ کیا تو ہمارے حصہ کو خُدا اور رسولؐ کے حصہ کیساتھ کتاب خُدا میں نہیں پاتا اور دیکھتا اور تیرا حصہ دور والوں میں رکھا گیا ہے۔ جب خُدا نے ہی تجھکو ہم سے جُدا کر دیا اور تیرا حصہ کو بھی جُدا کر دیا پس تحقیق ہمارے حصہ کو خُدا نے اپنے اور اپنے رسول کے حصہ کے ساتھ ثابت و قائم رکھا ہے اور تیری دوری اور جُدائی نسل کی وجہ سے ترے حصہ کو اپنے اور رسولؐ کے حصہ کے ساتھ سے ساقط اور الگ کر

8۔ الغارات، جلد اول صفحہ 123، ابراہیم بن محمد ثقفی

دیا ہے اور تو میری امامت اور ملکیت کا بھی انکار کرتا ہے۔ پس کیا تو کتاب خُدا میں آلِ ابراہیم کے حق میں خُدا کا یہ فرمان نہیں دیکھتا جس میں خُدا نے آلِ ابراہیم کو تمام عالمین سے چن لیا ہے۔ پس اس نے ہم کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے اور کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو عالمین میں نہیں ہے یا کہ یہ گمان کرتا ہے کہ ہم آلِ ابراہیم نہیں ہیں۔ پس اگر تو ہمارے آل ابراہیم ہونے سے انکار کریگا تو تیرا انکار محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کا انکار ہو گا کیونکہ وہ ہم میں سے ہیں اور ہم ان میں سے ہیں پس اگر تجھکو اس امر کی طاقت ہے کہ تو کتاب خُدا میں ابراہیم اور اسماعیل اور محمدؐ اور آل محمدؐ میں جُدائی ڈال سکتا ہے تو ڈال دے۔

جنابِ امیر علیہ السلام کے الفاظ ہیں ’ کیا تو ہمارے حصّہ کو خُدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصّہ کے ساتھ کتابِ خُدا میں نہیں پاتا؟‘ اگر بالفرضِ محال تسلیم کر لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا حصّہ خمس کے باقی حکم سے جُدا ہو کر تمام اُمت کے واسطے ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ مال خمس وزکوۃ بحیثیت مال دُنیا ہونے کے ایک ہی طرح کا تو مال ہے اللہ تعالیٰ نے زکوۃ میں اپنا حصّہ کیوں مقرر نہیں کیا؟ اس کی کیا ضرورت تھی کہ خُداوندِ عالم اس مال دُنیا کو الگ الگ دو طرح کا مال قرار دے کر الگ الگ نام تو رکھے، زکوۃ کو رسولؐ اور اُن کے قرباء پر حرام قرار دے اور مستحقین زکوۃ کو خمس سے محروم رکھے مگر جب مصرف آئے تو دونوں کا ایک جیسا ہی استعمال رکھے؟ کیا یہ عبث نہیں؟ اور فعلِ عبث کو حکیم مطلق سے معاذ اللہ نسبت دینا یا توقع رکھنا کفر ہے، اگر پھر بھی صاحبانِ فکر و نظر کو اس میں کوئی حکمت نظر نہیں آتی تو کم از کم یہ ہی بتا دیں کہ

زکوٰۃ اور خمس کو مساوی طور پر تمام مسلمانوں کے مستحقین پر تقسیم کرنے میں اللہ تعالیٰ کو کیا قباحت تھی؟ مولانا سید عبد اللہ شاہ عبد موسوی اعلی اللہ مقامہ کہتے ہیں کہ

پس خُداوندِ عالم جو جسم و جسمانیات حوائج و احتیاجات سے منزّہ و مبرّہ ہے باوجود اس کے اس نے دنیاوی اور فانی مال خمس میں اپنا حصہ مقرر فرما کر ثابت کر دیا ہے کہ مستحقین مال خمس میرے خاص بندے ہیں ان کو میری عام مخلوق کے ساتھ نہ ملاؤ بلکہ ان کو میری طرف منسوب کر کے دوسرے مسلمانوں سے فاضل و افضل جانو، اور اس پر لطف یہ کہ اپنا حصہ مقرر فرما کر اس کا مصرف پھر وہی اولاد رسول ﷺ ہی قرار دی ہے علیحدہ نہیں کیا...... خُداوندِ عالم نے جس مال کو اپنے اور اپنے رسول اور اقرباء رسول اور اولاد رسول کے لیے مخصوص فرمایا ہے اور غیر اولاد رسول کو محروم رکھا ہے علماء شیعہ حضرات نے اپنی منطق سے اس کو تمام لوگوں کے لئے حلال بنا دیا ہے۔ کیونکہ فرمان امامؑ میں لفظ شیعہ یا مومن وارد ہوا ہے، لہذا ہر شیعہ اور مومن پر حلال ہے۔ گویا یہ ثابت کیا جا رہا ہے (نعوذ باللہ) امامؑ خُدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا رہے ہیں (پناہ بخدا) [9]۔

کہا جاتا ہے کہ خطرناک اور جان لیوا بیماری وہ ہے جس کی علامات ظاہر نہ ہوں اور مریض کو صحت مندی کے دھوکہ میں مبتلا کئے رکھے، مذہبی ٹھیکیداری کا مرض اتنا

[9] حرمت بنات رسولؐ اعلیٰ غیر اولاد رسولؐ، مولانا سید عبداللہ شاہ عبد موسوی

راسخ ہو چکا ہے کہ اس میں مبتلا افراد خود کو مومنِ کامل جانتے ہوئے اپنے نظریات و عقائد کے خلاف کچھ سننا ہی نہیں چاہتے، یہی طرزِ عمل خُمس سے متعلق بھی روا رکھا جا رہا ہے حالانکہ یہ ایک ہمہ جہت موضوع ہے جس پر غور و فکر سے دین کے بہت سے حقیقی امور اور متعدد نام نہاد عقائد روزِ روشن کی طرح آشکار ہو جاتے ہیں، بہ ہر حال یہ یاد رکھیں کہ خمس صرف اور صرف اولادِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور ان کی تمام اولاد کا حق ہے، اس کے حقداروں کو کسی بھی عنوان، مجبوری، ضرورت اور قیاسی تعبیرات کے تحت خمس سے محروم رکھنا حکم قرآن و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار ہے، یہ ہی وہ امر جلی ہے جو ایک غیر فاطمی اور فاطمی فرد میں من جانب اللہ سبحانا تعالیٰ ایک بڑی حدِ فاصل قائم کرتا ہے، یہی سیّد زادی فاطمیہ کے غیر فاطمی مرد سے نکاح کی حرمت پر ایک حجۃالقویہ ہے۔

افتادِ زمانہ نے ہر چیز تہس نہس کر ڈالی ہے صدیوں کی انسانی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ زن، زر، اور زمین ہی فساد فی الاض کا ایک بڑا موجب ہیں، حرص و ہوس اور طاقت و اختیار کی طاغوتی خواہشات نے مسلمانوں کو بھی بڑی شدّت سے جکڑ رکھا ہے جس کا مظاہرہ حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیکر آج تک دیکھنے میں آ رہا ہے، اسی کشمکش میں اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خون ناحق بہایا گیا، جائیداد پر قبضہ کیا گیا اور اولادِ زہرا سلام اللہ علیہا کا حق غصب کیا جا رہا ہے، ستم ظریفی تو یہ ہے کہ یہ دوست دشمن سب ہی اپنے اپنے طریقہ سے دین کے نام پر ہی کر رہے ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کو ان من گھڑت اور نام نہاد عقائدِ دینیہ کی طرف جانوروں کی طرح ہنکائے لے جا رہے ہیں، زمانہ خلافت اوّل میں باغِ فدک چھینا گیا کہ خطرہ تھا کہ اس کی سالانہ چالیس ہزار دینار

کی آمدنی سے مخالفینِ حکومت کوئی تحریک نہ چلا سکیں، اور پھر نئی نئی حکومت نے اپنی مالیاتی ضرورتیں بھی پوری کرنا تھیں، اسی طرح حقِ اہل بیت کا نعرہ لگا کر اقتدار پر قبضہ کرنے والے بنو عباس نے اپنی تلواروں سے اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہی عرصہ حیات تنگ کر دیا، بعد کے ادوار میں امامِ زمانہ عجل اللہ تعالیٰ فرجہ الشریف کی غیبتِ کبریٰ کے فوراً بعد ایک ایسے استحصالی دور کا آغاز ہوا جس میں اولادِ زہرا سلام اللہ علیہا صدیاں بیت جانے کے بعد آج بھی گرفتار ہے، فریقِ مخالف نے غصبِ فدک کے لئے من گھڑت حدیث (لانورث ما ترکناہ صدقۃ۔ یعنی ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ ہم جو مال چھوڑ جائیں، وہ صدقہ ہوتا ہے) کا سہارا لیا تو اپنوں نے فقط ظن و گمان سے اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خُمس سے محروم کر دیا، اور یہ کہہ دیا کہ ذی القربیٰ سے مراد فقط معصومین علیہم السلام ہیں، یعنی جیسے آلِ محمدؐ کی تعریف سے غیر معصوم اولادِ رسولؐ کا پتہ صاف کیا گیا ایسا ہی رویہ یہاں پر بھی اختیار کرتے ہوئے کہا گیا کہ خمس کا دائرہ بہت وسیع ہے اسے دین اور ساری امت پر خرچ ہونا چاہئے۔ خلافت نے فدک کی آمدنی سے گھوڑے اور ہتھیار خرید کر اپنے قدم جمائے اور اپنوں نے خمس کو تمام شیعوں پر مباح قرار دے کر اپنے برگ و بار پیدا کئے۔

اصل یہ ہے کہ یہ ایک کھُلا ہوا راز (یعنی سِرّ المُبین) ہے کہ اگر فدک فاطمہ سلام اللہ علیہا کے پاس رہتا اور خداوندِ عالم نے جو ان لوگوں کے واسطے خُمس قرار دیا ہے وہ برابر پہنچتا تو یہ لوگ (اولادِ رسولؐ) اہلِ دُنیا کا مرجع بنے رہتے [10]۔

---

[10] سیرۃ الفاطمہ علیہا السلام، صفحہ 182، مصنف مولانا حکیم سید ذاکر حسین، مطبع 1921 دہلی

بی بیؑ جانتی تھیں کہ غصبِ فدک سے اولادِ رسولﷺ کی حُرمت و احترام کو ختم کرنے کی بنیاد رکھی گئی ہے اور یہ قیامت تک مصائب و رنج برپا کرے گی، اپنے خطبہ میں اُنہوں نے واضح نشاندہی کی وَ اُضیعَ الْحَریمُ، وَ اُزیلَتِ الْحُرْمَةُ۔ اور حریم اپنے مقام سے زائل ہو گیا، اور حُرمتیں برباد ہو گئیں۔ یعنی حضور کی رحلت کے بعد نہ تو حرمِ رسول کو تحفظ ملا اور نہ ہی حرمتِ رسول کا لحاظ رکھا گیا [11]۔ بی بیؑ اسی صدمہ سے دوچار رہیں اور اس دُنیا سے رخصت ہوتے ہوئے امیر المومنین علیہ السلام سے اپنے وصیت نامہ میں فرمایا کہ میری اولاد پر قیامت تک کے لئے میرا سلام ہو [12]۔

اقتدار و حکومت کے نشہ میں مبتلا افراد چاہے کسی بھی دین کے ہوں اُن کی ذہنیت ہمیشہ ایک جیسی ہی رہی ہے، ہر دین و مذہب میں ان کا طریقہ واردات (modus operandi) بھی تقریباً ایک جیسا ہی رہا ہے، چنانچہ سقیفائی فلسفہ اس قدر پُر کشش تھا کہ اس نے اہل تشیع میں بھی راہ پالی، اہل سنت کی مندرجہ ذیل روایت پر غور کیجیے حقیقت آپ کے سامنے آجائے گی، علامہ ابو بکر احمد بن عبد العزیز جوہری' انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ

> حضرت فاطمہ علیہا السلام نے خلیفہ اوّل سے فرمایا۔ تجھ کو معلوم ہے، حق تعالیٰ نے ہم اہل بیت علیہم السلام پر صدقات کو حرام کیا ہے اور نیز تمہیں معلوم ہے کہ اموالِ غنائم سے ہم کو سہم ذی القربیٰ عطا فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہوا ہے وَاعْلَمُوٓاْ أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ

---

[11] خطبہ فدک، صفحہ 85، شیخ محسن علی نجفی

[12] سیرۃ الفاطمہ علیہا السلام، صفحہ 222، مصنف مولانا حکیم سید ذاکر حسین، مطبع 1921 دہلی

وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى ---(الآیہ) یعنی جان لو کہ جو چیز تمکو غنیمت میں ہاتھ لگے تو اس کا خمس (پانچواں حِصّہ) خُدا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صاحب قرابت اور یتیموں کے لئے ہے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں حکم قرآن و حق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و حق قرابتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ کو منظور ہے میں بھی قرآن میں وہی پڑھتا ہوں جو تم پڑہتی ہو، مگر میں نہیں جانتا کہ یہ پورا حصّہ تم کو کیونکر دیدیا جائے، حضرت فاطمہ علیہا السلام نے فرمایا کہ یہ حصّہ کیا تمہارے لئے ہے یا تمہارے اقربا کے واسطے ہے، جواب دیا کہ نہیں بلکہ بقدرِ نفقہ تم کو دیدوں گا، باقی مصالح مسلمین میں خرچ کروں گا۔

بی بی سلام اللہ علیہا کے تمام خمس کے مطالبہ پر جو جواب دیا گیا کیا وہ ہی عقیدہ و عمل آج اہل تشیع میں قائم نہیں کر دیا گیا؟ آدھا حصّہ سہمِ امام قرار دے کر اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محروم کر دیا گیا ہے اور باقی یعنی سہم سادات سے بھی مستحق سادات کو صرف نفقہ ہی دیا جارہا ہے، اس پر فتوؤں سے اتنی شرائط عائد کر دی گئی ہیں کہ عملاً سو میں سے صرف دو کو ہی سہم سادات دیا جا سکتا ہے، اس امر کو یک جنبشِ قلم رد کر دیا گیا ہے کہ خمس کسبی کمال کیوجہ سے سادات کرام کا حق نہیں بلکہ نسبت و قرابتِ رسول کی وجہ سے ہے، سیّد اگر گناہگار بھی ہو تو اس کی تعظیم نہیں جاتی جب تک کہ وہ حدِ کفر کو نہ پہنچ جائے اس پر کثرت سے تاریخی واقعات و اقوالِ معصومین مختلف کتب میں وارد ہوئے ہیں۔ مفتیانِ دین نے یہ ہدایت بھی جاری کر رکھی ہے کہ مستحق کو اتنا نہ دیا جائے کہ

بے چارہ سیّد کہیں غنی ہی نہ ہو جائے اور مفتیان و ٹھیکداران دین' مسلمانوں کے خلیفہ اوّل کی سنت پر عمل پیرا ہونے سے محروم رہ جائیں۔

یہ امر اُمتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے ہے کہ اسلام میں فرقوں کا وجود فقہاء اور علماء کا ہی مرہون منت ہے، اسی لیے کہا گیا ہے کہ اذا ضل العالم ضل و اذا فسد العالم فسد العالم۔ جب عالم گمراہ ہو جائے تو ملک کو گمراہ کر دیتا ہے اور جب عالم فاسد ہو جائے تو ملک کو فاسد العقیدہ بنا دیتا ہے۔ دیگر مکاتب فکر کو علیحدہ کر کے خود شیعانِ اہل بیت اطہار میں اس خدشہ کو رد نہیں کیا گیا، مشہور زمانہ قولِ معصوم ہے

اما من کان من الفقہاء صائناً لِنفسہِ حافظاً لدینہِ مخالفاً علی ھواہ مطیع الامر مولاہ فللعوام ان یقلدّوہ۔
جو فقہیہ اپنے نفس کا محافظ، دین کو بچانے والا، خواہشات نفسانی اور ہوا ہوس کا مخالف اور خُدا و رسول اور آئمہ علیہما السلام کا مطیع و منقاد ہو تو عوام پر ایسے شخص کی تقلید واجب و لازم ہے۔

اس حدیث کو فقہاء نے ثقہ بیان کیا ہے لیکن ہم اسی کی صحت و روایت سے متعلق ذیلی بحث میں نہیں جاتے، اس حدیث میں جو اہم اور توجہ طلب امور ہیں جو یہ واضح کرتے ہیں کہ علماء ہوا و ہوس سے خالی اور مطیع الامر مولاہ ہوں یعنی لوگوں کے لئے جو حکم وہ صادر کریں وہ فرمانِ امامؑ سے ہی حاصل کریں اور امامؑ کی طرف ہی منسوب کریں اپنی ذات کی طرف نسبت نہ دیں، حقیقی شارح دین تو معصومین علہیم السلام

ہیں اور قرآن میں بھی حکم ہے کہ مَن لَّمۡ یَحۡکُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰہُ فَأُوۡلَـٰئِکَ هُمُ الۡکٰفِرُونَ [13]۔اللہ نے جو کچھ نازل کیا ہے اس سے فیصلہ نہ کرنے والا کافر ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں فقیہہ معاملات میں استحسان، استصلاح، تاوّل، اور قیاس (اگرچہ اس کا نام بدل دیا جاتا ہے) کو استعمال کیا جاتا ہے۔ استحسان کا مطلب ہے کہ مشابہ موارد کو مدِ نظر رکھے بغیر معاملہ کا مستقل طور پر جائزہ لے کر جو چیز حق و انصاف سے زیادہ قریب ہو، نیز جائزہ لینے والے شخص کا ذوق و عقل اسے پسند کرے اس کے مطابق حکم صادر کرنا۔ یعنی انسانی ذوق، پسند و ناپسند اور جسے خود ہی حق و انصاف سمجھ لیا جائے اُسے حکمِ دین قرار دینے کو استحسان کہتے ہیں، اسی طرح استصلاح کہتے ہیں جب ایک مصلحت کو دوسری مصلحت پر مقدم کیا جائے، تاوّل بھی ایک فقہی اصطلاح ہے جس میں فقیہہ باوجود اس کے کہ کسی معاملہ میں دینی نص' کسی آیت قرآنیہ' یا معتبر حدیث میں ایک حکم موجود ہے لیکن وہ بعض وجوہات کی بنا پر اس نص کے مفہوم و مدلول کو نظر انداز کرتے ہوئے معاملہ پر اپنی اجتہادی رائے کو مقدم کر دے۔

مندرجہ بالا فقہی منابع سے یہ ظاہر ہے کہ حکمِ معصوم کے نام پر بالعموم نہیں تو اکثر ذاتی ذوق و پسند، خود ساختہ مصلحت کو ترجیح دی جاتی ہے اور پھر خود کو اُس درجہ پر فائز کیا جاتا ہے جہاں آیاتِ قرآن اور معتبر احادیثِ رسول اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں موجود حکم کے مفہوم و مدلول کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور اس کے لئے اپنی اختراعی وجوہات و تشریحات کا سہارا لیا جاتا ہے، کیا یہ عمل مطیع الامر مولاہ ہونے کا ثبوت ہے؟ کیا

[13] سورہ المائدہ 44

ظہور امامِ زمانہ علیہ السلام سے پہلے فقہاء موجود نہیں ہوں گے جو یہ دُنیا ظلم و جور سے بھر جائے گی؟ کیا موجودہ زمانے میں ان نائبین عام کی موجودگی سے عدل و انصاف کے تمام تقاضے پورے ہو رہے ہیں؟ کیا انہیں میں سے ایک گروہ ظہورِ حضرت حجت علیہ السلام پر مولا سے یہ نہیں کہے گا کہ آپؑ کیوں تشریف لے آئے؟ ہم تھے نہ! اس صورتِ حال کا اندازہ امیر المومنین علیہ السلام کے اس خطبہ سے کیا جاسکتا ہے، آپؑ فرماتے ہیں

وقتیکہ علم برداشتہ شود وجھل ظاہر گردد وقراء بسیار شوند وعمل قلیل شود و قتل نفس بسیار گردد و فقہائے ہدایت کندہ کم شوند و فقہائے گمراہ کندہ و خائنان و شعراء بسیار و قیتکہ مال خمس بخائنان بسپارند۔[14]

اور جب علم اٹھا لیا جائے اور جہل مرکب ظاہر ہو جائے اور قاری زیادہ ہو جائیں اور عمل تھوڑا ہو جائے اور قتل کی وارداتیں زیادہ ہو جائیں اور ہدایت کرنے والے فقہاء کم ہو جائیں اور گمراہ کرنے والے فقہاء زیادہ ہو جائیں اور خیانت کرنے والے اور شعراء زیادہ ہو جائیں اور جب مال خمس خیانت کرنے والوں کے سپرد کیا جائے۔

اسی طرح کی ایک حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی مروی ہے جسے آیت اللہ سید محمد تقی المدرسی نے نقل کیا ہے، اس روایت میں اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی علاماتِ ظہور حضرت امام مہدی علیہ السلام بیان کی ہیں۔

[14] حرمت بناتِ رسول، مصنف مولانا عبداللہ شاہ عبدموسوی۔ بحوالہ بحار الانوار، جلد 13

یکون ذلک إذا رفع العلم وظهر الجهل، وکثر القراء، وقل العمل، وکثر القتل وقل الفقهاء الهادون، وکثر فقهاء الضلالة والخونة...[15]
جب علم اٹھا لیا جائے گا اور جہالت ظاہر ہو جائے گی اور قاری زیادہ ہو جائیں گے اور عمل تھوڑا ہو جائے گا اور قتل کی وارداتیں زیادہ ہو جائیں گی اور ہدایت کرنے والے فقہاء کم اور گمراہ کرنے والے زیادہ ہو جائیں گے۔

چھٹے امام علیہ السلام سے ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سَیَأْتِی زَمَانٌ عَلٰی اُمَّتِیْ لَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُهٗ وَلَا مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُهٗ، یُسَمُّوْنَ بِهٖ وَهُمْ اَبْعَدُ النَّاسِ مِنْهُ، مَسَاجِدُهُمْ عَامِرَةٌ وَهِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْهُدٰی، فُقَهَاءُ ذٰلِکَ الزَّمَانِ شَرُّ فُقَهَاءِ تَحْتَ ظِلِّ السَّمَاءِ مِنْهُمْ خَرَجَتِ الْفِتْنَةُ وَاِلَیْهِمْ تَعُوْدُ۔
آپؐ نے فرمایا: میری اُمت پر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ جس میں قرآن بطور رسم رہ جائے گا۔ اسلام کا صرف نام رہ جائے گا' کہنے کو مسلمان ہوں گے مگر اسلام سے بہت دور ہوں گے، اُن کی مسجدیں آباد نظر آئیں گی مگر ہدایت سے خالی ہوں گی، اُس زمانے کے (عالمانِ دین و) فقہاء زیر آسمان بد ترین فقیہ ہوں گے، فتنے اُن ہی کی طرف سے شروع ہوں گے اور پھر اُن ہی کی طرف پلٹ کر جائیں گے[16]۔

کیا آج کے زمانے میں یہ ساری شرائط پوری ہوتی ہوئی نظر نہیں آتیں؟ کیا خمس جن کو دیا جارہا ہے وہ امانت کے تمام تقاضے پورے کر رہے ہیں؟ اس آیتہ مبارکہ کے تناظر

---

[15] الامام المہدی علیہ السلام قدوۃ وأسوۃ، فضل الثالث، مصنف آیت اللہ سید محمد تقی المدرسی
[16] بحار الانوار، جلد 12، صفحہ 76، علامہ مجلسی

میں کہ اِنَّ الظَّنَّ لاَ یُغْنِي مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا [17]۔ ظن و گمان سے حق کا شائبہ تک بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کیا قیاسی، ظنی، اور ذاتی تخمینوں سے جاری شدہ فتاویٰ سے فقہاء ہدایت کا حقیقی فریضہ ادا کر رہے ہیں؟ اس پر یہ صورتِ حال ہے کہ بے دلیل فتاویٰ پر آنکھیں بند کر کے عمل کرنے کی طرف راغب کیا جا رہا ہے، دلیل و برہان کو در خورِ اعتنا ہی نہیں سمجھا جا رہا، علامہ فرات بن ابراہیم کوفی' نے ابن عباس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک طویل روایت نقل کی ہے ہم اس کا ایک حصّہ بقدرِ ضرورت نقل کرتے ہیں

سلمان بن یسار سے روایت ہے کہ میں نے ابن عباس کو اس وقت مسجد میں دیکھا جب آپ نے اپنی کہنی اپنے گھٹنے پر رکھکر اس پر اپنا رخسار رکھا ہوا تھا اور حضرت امیر المومنین علیہ السلام کا کوفہ میں انتقال ہو چکا تھا، ابن عباس نے کہا کہ۔۔۔ اے لوگو میں آپ سے ایک بات کہتا ہوں، اس کو غور سے سنو! یہ تمہاری مرضی ہے خواہ مانو یا نہ مانو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کہتے ہوئے سُنا ہے کہ جب علی علیہ السلام دُنیا سے تشریف لے جائیں گے پھر دُنیا میں ایسی باتیں رُونما ہوں گی جن میں بھلائی نہیں ہو گی۔۔۔ فرمایا امانت میں بد دیانتی، خیانت زوروں پر ہو گی۔۔۔ اے لوگو! میں تم کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ جب تک علی علیہ السلام زندہ ہیں اپنے فیصلے خود نہ کیا کرو جب آپ دُنیا سے رخصت ہو جائیں تو اس آیت پر عمل ہو گا۔ لِّیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَن بَیِّنَةٍ وَیَحْیَی مَنْ حَيَّ عَن بَیِّنَةٍ وَإِنَّ اللّهَ لَسَمِیعٌ عَلِیمٌ (سورہ انفال، آیت ۴۲) اور تاکہ جو ہلاک ہونے والا ہے حجت (دلیل) سے ہلاک ہو، اور جو

---

[17] سورہ یونس، آیت 36

زندہ رہنے والا ہے وہ بھی حجت (دلیل) سے زندہ رہے ضرور اللہ سننے اور جاننے والا ہے[18]۔

یہ بحث اور دلائل ثابت کرتے ہیں کہ ذاتی رائے، ظن اور گمان سے بلا دلیل فتوۓ صادر کئے جا رہے ہیں، اپنی منطق سے یہ بھی ثابت کیا جا رہا ہے کہ معاذ اللہ امام' اللہ اور رسولؐ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرتے رہے ہیں۔ سہم سادات کی ادائیگی کو زکوٰۃ کا نعم البدل قرار دیا جا رہا ہے اور اُسے 'ایک قسم کی زکوٰۃ' [19]۔ اور طریقہ تقسیم سے خیرات ثابت کیا جا رہا ہے، حتیٰ کہ یہ بھی کہا جا رہا ہے کہ خمس سے بنی فاطمہ کی کوئی فضیلت نہیں اگر ایسا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اقرباء پروری کا الزام لگتا ہے[20]۔ سبحان اللہ کیا منطق ہے! حکم اللہ کا اور الزام رسول اللہ پر۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آیۂ خمس میں ہی اسی خدشہ کے پیش نظر وضاحت کر دی ہے لیکن ان لوگوں کی عقلوں پر قفل پڑے ہوئے ہیں، اگر ایسا بالفرضِ محال مان بھی لیا جائے تو یہ کیسے مانا جا سکتا ہے کہ وہ خداوندِ عالم جو آلِ ابراہیم کو ملکِ عظیم یعنی سب کچھ عطا کرنے کا دعویدار ہے فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا[21]۔ تو پھر ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم عطا کیا ہے۔ کیا وہ خود ہی خمس کے نام پر آلِ ابراہیم کی سب سے برگزیدہ ہستی اور اُس کی ذرّیت کو امت کی زکوٰۃ و خیرات کا محتاج بنا رہا ہے؟ معترضین کی فکر پر پردے پڑ گئے ہیں جو علیم و خبیر اور حکیم

---

[18] تفسیرِ فرآت، صفحہ 99، علامہ فرات بن ابراھیم کوفی

[19] مولوی شہریار رضا زیدی، نشری تقریر یوٹیوب

[20] مولوی عابد حسین زیدی، نشری درس فی الخمس، یوٹیوب

[21] سورہ النساء، آیت 54

کے قول و فعل میں (اللہ کا قول ہی اُس کا فعل ہوا کرتا ہے) تضاد ثابت کر رہے ہیں، کیا یہ دلیلِ کفر نہیں؟ اس پر طرّہ یہ کہ وہ ذاتِ بے نیاز و بے احتیاج ازلی ہے کیا وہ 'اس ایک قسم کی زکوٰۃ' میں اپنا بھی حصہّ قرار دے رہا ہے؟ فتورِ نیت و ذہنیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ معصوم جسے ہدیہ اور ذاتی حق کہیں' مولا کائناتعلیہ السلام آیت خمس سے معاویہ ابن سفیان پر اپنی فضیلت ثابت کریں (دیکھیے خطبۂ امیرؑ حصّہ اوّل میں)' علماء و فقہاء اُسے ہی 'ایک طرح کی زکوٰۃ' اور خالی از فضیلت ثابت کرتے پھریں، یعنی جس دلیل کو معاویہ ابن سفیان رد نہیں کر سکا اسے انہوں نے اپنی منطق سے معاذاللہ باطل قرار دے رکھا ہے۔ پناہ بہ خدا! پس ظاہر ہے کہ حرمتِ شریفہ اور خمس کو اُمت پر مباح قرار دینے والے ہی وہ لوگ ہیں جنھوں نے علمیت و فقاہت کے نام پر ہر ہر مرحلہ پر اولادِ رسولصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و معصومہ سلام اللہ علیہا کی اہانت و ہتک اور غصب حق کو دین بنا رکھا ہے، انہی پر حضور اکرمصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان صادق آتا ہے آلِ ابراہیم و آلِ عمران کے ذکر سے تو خوش ہوتے ہیں مگر آلِ محمدؐ کے ذکر سے ان کے دل گھٹتے ہیں[22]۔

وَالسَّلَامُ عَلَى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدَى

تمت بالخیر

[22] تفسیر انوار النجف، جلد 15، صفحہ 10